بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مسلسل اشاعت کے اکتالیس سال

ماہنامہ الحق

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

492

رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

اگست 2006

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

جناب احمد ندیم قاسمیؒ

نعت

جناب احمد ندیم قاسمی مرحوم کی وفات کی مناسبت سے ان کی شہرہ آفاق نعت نذر قارئین ہے۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقطِ نقشِ کفِ پا تیرا

تہ بہ تہ تیرگیاں ذہن پہ جب ٹوٹتی ہیں
نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا

کچھ نہیں سوجھتا جب پیاس کی شدت سے مجھے
چھلک اٹھتا ہے مری روح میں مینا تیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

دست گیری مری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں' جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا

تو بشر بھی ہے' مگر فخرِ بشر بھی تو ہے
مجھ کو تو یاد ہے بس اتنا سراپا تیرا

میں تجھے عالمِ اشیاء میں بھی پالیتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالمِ بالا تیرا

مری آنکھوں سے جو ڈھونڈیں' تجھے ہر سو دیکھیں
صرف خلوت میں جو کرتے ہیں نظارا تیرا

وہ اندھیروں سے بھی درّانہ گزر جاتے ہیں
جن کے ماتھے پہ چمکتا ہے ستارا تیرا

ندیاں بن کے پہاڑوں میں تو سب گھومتے ہیں
ریگزاروں میں بھی بہتا رہا دریا تیرا

شرق اور غرب میں بکھرے ہوئے گلزاروں کو
نکہتیں بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا' ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

ایک بار اور بھی یثرب سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۔۔۔۔۔۔ 41
شمارہ نمبر ۔۔۔۔۔۔ 11
رجب ۔۔۔۔۔۔ ۱۴۲۷ھ
اگست ۔۔۔۔۔۔ ۲۰۰۶ء

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
نمبر 6.9.06

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: تحفظ حقوقِ نسواں بل کے نام سے حدود آرڈیننس میں ترامیم کی بھونڈی کوشش۔ قوم پرست بلوچ رہنما نواب محمد اکبر بگٹی کا قتل کیا رنگ لائیگا؟۔ نامور شاعر و ادیب احمد ندیم قاسمی کی وفات۔ .... راشد الحق سمیع ۲

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال (درس ترمذی) .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۶

حقوق العباد، فضیلت و اہمیت اور تفصیلات .... حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب مدظلہ ۱۴

حدود قوانین پر ایک اہم تنقید کا جائزہ .... جناب محمد مشتاق احمد ۲۰

اندھا یورپ .... جناب عبداللہ اتل ۴۰

حضرت مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا سفر ایران .... مولانا عرفان الحق حقانی ۵۰

دارالعلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۱

تبصرہ کتب .... مدیر کے قلم سے ۶۳

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان Ph: (0923)630340-630435 Fax: (0923)630922

ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com

کمپوزنگ:

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200 بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

نقش آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

تحفظ حقوقِ نسواں بل کے نام سے حدود آرڈیننس میں ترامیم کی بھونڈی کوشش

روشن خیالی کے تاریک راستوں کے حکمران کمال اتاترک والی منزل کو پانے کے لئے گزشتہ سات سال سے جس قدر سرگرداں وحیراں سرپٹ دوڑ رہے ہیں اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ''جذبہ جنوں'' اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔ آئین پاکستان کی قباء اور اسلامی معاشرہ کا پیراہن کئی جگہ سے پھاڑا جارہا ہے۔ اور جو بچا ہے اس کے بھی بیخ وبُن اُکھڑے جارہے ہیں۔ ''دین اکبری'' کے نئے ایڈیشن کی تیاریاں زوروشور سے جاری ہیں۔ اسلامی احکام کی تبدیلی کے لئے اپنے ''دستِ ہنر'' سے نت نئے ''شاہکار'' سانچے بنائے جارہے ہیں۔ اور حدود اللہ جیسے قطعی قوانین کی روح نکالنے کے لئے نئے قالب بنائے جارہے ہیں۔ عورتوں کو بے حیائی اور زنا کاری کے مواقع فراہم کئے جارہے ہیں۔ اور یہ سب گھناؤنی کوششیں' سازشیں' تحفظِ حقوق نسواں'' کے نام سے پیش کی جارہی ہیں۔ یعنی زہر کے ساغر شرابِ زندگی کے نام سے انڈیلے جارہے ہیں۔ حکمران خود بھی مغربی آقاؤں کی دادودہش سے مدہوش ہیں اور اب یہ چاہتے ہیں کہ مملکت اسلامی پاکستان کے غیور عوام بھی اسی طرح مدہوش اور بے حس بن جائیں کیونکہ بزدلی' بے حمیتی اور اسلامی احکام وقوانین سے دور رہنے ہی میں عہدِ حاضر میں قوم کے لئے ''خیر'' ہے۔

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

وزیرستان کے غیور مسلمانوں پر بمباری کرنے' اسلامی قلعے یعنی دینی مدارس کے خلاف اعلان جنگ' سکولوں اور یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم میں مغربی آقاؤں کی مرضی پر تبدیلیاں لانے اور میڈیا کے ذریعے اسلامی اور مشرقی روایات کا تمسخر اڑانے کے بعد اب حکمرانوں نے عملاً آئین پاکستان میں اسلامی دفعات کو اپنے لئے تختہ مشق بنا لیا ہے۔ حدود آرڈیننس میں اگرچہ سارے اسلامی قوانین کو نافذ العمل نہیں کیا گیا ہے اور نا ہی آج تک کسی عدالت نے حدود کے ذریعے کسی کو سزا دی ہے۔ یہ اگرچہ صرف نمائشی حد تک آئین میں موجود ہیں لیکن موجودہ حکمرانوں کو یہ نمائشی قوانین بھی ہضم نہیں ہورہے اور مسلسل ان کے پیٹ میں ان کے خلاف مروڑ اٹھ رہا ہے کہ کسی طرح یہ برائے نام قوانین بھی ختم کئے جائیں۔ اور اصلاح کے نام پر مزید بگاڑ کے تجربات کئے جارہے ہیں کہ اس سے عورتوں اور مظلوموں کو انصاف ملے گا۔ لیکن دنیا حکمرانوں کی اصل نیت اور ان کے مکروہ عزائم اور کردار سے آگاہ ہے کہ یہ کتنے عورتوں کے

حقوق کے علمبردار ہیں؟ اور ان کے عدلِ جہانگیری سے ''مشابہ'' دور حکومت میں عدل و انصاف کے ڈنکے بج رہے ہیں؟ صاف لفظوں میں یہ سب سازشیں صدر بُش کی براہ راست ہدایات پر کی جارہی ہیں۔ ان کے پالتو حکمران پندرہ کروڑ عوام کے جذبات و خواہشات کو مجروح کررہے ہیں۔ گزشتہ سات برسوں سے ملک و ملت کی تقدیر پر قابض حکمران کبھی جمہوریت کے چیمپئن بنتے ہیں اور کبھی اسلامی قوانین کے ''شارح'' بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ فوجی آمروں کا یہی المیہ ہے کہ وہ خود کو عقل کُل سمجھتے ہیں اور دوسروں کی رائے کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہیں۔ موجودہ حکمران بھی اسی ڈگر پر چلنے والے ہیں۔ حدود آرڈیننس میں من چاہی ترامیم کرانے والے ''معرکہ'' کے بعد ''دین اکبری'' کے یہ علمبردار اب دوسرے ''معرکہ'' میں توہین رسالت کے قانون میں بھی ''اصلاحات'' و ''فتوحات'' کا بل پیش کرنے والے ہیں کہ اسلامیانِ پاکستان کے دلوں سے عظمت اسلام کھرچنے کے بعد ان کے جسم و جاں سے روحِ محمدؐ بھی نکال دی جائے کہ روشن خیالی کی منزل میں یہ بھی بڑی (العیاذ باللہ) رکاوٹیں ہیں۔ افسوس اس امر پر ہے کہ متحدہ مجلس عمل کے شریک سفر پیپلز پارٹی بھی حدود اللہ کے خلاف جاری جنگ میں حکمرانوں کے ساتھ ہیں۔ اس طرفہ تماشہ کو بھی کیا نام دیا جائے؟ اس کے علاوہ اسمبلی میں اس بل کے پیش کرنے پر جو افسوسناک صورتحال سامنے آئی ہے وہ بھی نہایت افسوسناک ہے۔ علماء اور حدود اللہ کے حامی ممبران اسمبلی نے بل کو پڑھے بغیر جس انداز میں لفظ اللہ' لفظ محمدؐ' اور لفظ قرآن کے کاغذات کی بے حرمتی کی ہے اس سے بھی سیکولر طبقوں کو پروپیگنڈہ کا ایک اچھا موقع مل گیا ہے۔ سیاست' قوم کی رہبری' اور اسمبلی کی ممبری بھی کانٹوں کی سیج ہے۔ افسوس کہ متحدہ مجلس عمل کے ممبران اسمبلی اور رہنما کسی بھی طور پر اپنے آپ کو اہل ثابت نہ کرسکے۔ نا ہی انہوں نے حکمرانوں کا کوئی راستہ روکا۔ کیونکہ شرکتِ اقتدار کے فارمولے نے انہیں مصلحت آمیزی کا خوگر بنادیا ہے۔ ورنہ حکمرانوں کو ان اقدامات کے سوچنے کی جرات بھی نہ ہوتی۔ خدارا اسلامی قوانین کی حفاظت اور ملک و ملت کو ان حکمرانوں سے نجات دلانے کیلئے مخلصانہ کوششوں کا آغاز کیجئے کہ ہم سب کی بقاء کا راز اسی میں مضمر ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی بھی اسلامی نظام ہی سے ہے۔

قوم پرست بلوچ رہنما نواب محمد اکبر بگٹی کا قتل کیا رنگ لائے گا؟

عقل و فہم سے عاری اور تدبر و حکمت سے دور حکمرانوں کی کس کس اقدام کی مذمت کی جائے۔ ہر روز ملک و ملت کو ایک نئے بحران' ایک نئی آزمائش اور ایک نئی ابتلاء کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ جب سے موجودہ حکمران تختِ اقتدار پر قابض ہوئے ہیں انکے ظالمانہ اور احمقانہ فیصلوں سے زندگی کا کوئی طبقہ محفوظ نہ رہ سکا۔ ظهر الفساد فی البر و البحر۔

سب سے پہلے مذہبی اور دینی تحریکات اداروں اور افراد کو نشانہ ستم بنایا گیا' پھر اس کے بعد امریکی ایماء پر شمالی وجنوبی وزیرستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ اور سینکڑوں بے گناہ پاکستانیوں کو ظلماً شہید کر دیا گیا اور پاکستانی فوج کو محبِّ وطن قبائل سے لڑا دیا گیا۔ پھر طبع آزمائی کے لئے نیا محاذ اور نیا ''دشمن'' گھڑا گیا یعنی بلوچستان کے قوم پرست طبقے کو بھی بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ دیگر صوبوں کی طرح بلوچستان میں بھی احساس محرومی کا لاوا دن بدن شدت اختیار کرتا جار ہا ہے۔ اور اسے روزِ اول ہی سے اپنے وسائل اور حقوق سے محروم رکھا جار ہا ہے۔ اسی لئے قوم پرست جماعتیں اس بناء پر اپنی سیاست کی دکان اسی احساس محرومی کی بناء پر زور وشور سے چلا رہی ہیں۔ جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ نواب اکبر بگٹی بھی بلوچ حقوق اور مفادات کے بڑے علمبردار لیڈر تھے۔ اور ملک کے دیگر حصوں اور میدانِ سیاست میں ان کا بڑا نام اور دبدبہ تھا۔ کئی سالوں سے گیس کی رائلٹی اور دیگر امور پر اکبر بگٹی کو وفاق سے شدید شکایات تھیں' اگرچہ درمیان میں سیاسی سطح پر مذاکرات بھی ان سے کیے گئے' اگر اس مصالحتی کمیٹی کی سفارشات پر فوجی حکمران عمل کرتے تو بلوچستان کی شکایات اور اکبر بگٹی کی مشکلات کو حل کیا جا سکتا تھا' لیکن بندوق کے زور پر سیاست کرنے والے حکمرانوں کی کج فہم عقل نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے مزید الجھا دیا اور بلوچستان میں بھی کچھ عرصہ سے فوجی آپریشن بیدردی کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اس آپریشن سے جہاں بلوچیوں میں احساس محرومی اور پاکستان سے علیحدگی کے جذبات نے زور پکڑنا شروع کر دیا ہے تو وہیں ہندوستان اور افغانستان نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلم کھلا اس تحریک کو نہ صرف سپورٹ کیا بلکہ اسلحہ اور دیگر ذرائع سے بھی ان کی خوب معاونت کی۔ یوں بلوچستان کا مسئلہ مزید گھمبیر ہوتا چلا گیا۔ اب آخر میں فوجی حکمرانوں نے (بچاسی سالہ) نواب اکبر بگٹی کے ظالمانہ قتل کا اقدام کر کے پورے ملک میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی ہے اور خصوصاً بلوچستان میں تو آگ ونفرت کا ایک سمندر ہے جو وفاق کے خلاف دن بدن زور پکڑتا چلا جا رہا ہے۔ نواب اکبر بگٹی کی شخصیت اور ان کی پالیسیاں ہمیشہ سے متنازعہ رہی ہیں۔ اور ان کے اپنے علاقہ میں ظالمانہ ووحشیانہ مظالم بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ اور دینی لحاظ سے بھی اکبر بگٹی ملحدانہ خیالات رکھتے تھے۔ اور تکبر وغرور ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھا۔ اسی طرح اَنا اور ضد بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لیکن ان سب خامیوں کے باوجود اکبر بگٹی پاکستان کی سیاست کا بڑا نام تھے اور اپنے قبیلے کے رہنما تھے۔ آپ کے ماورائے عدالت قتل نے آپ کو ایک ہیرو کے طور پر بلوچ عوام میں مشہور کر دیا ہے۔ حقیقت میں جنرل مشرف اور اکبر بگٹی کی ضد' اَنا اور جھگڑے نے ملک وملت کو تقسیم کرنے اور وفاق کو کمزور کرنے کی ایک مضبوط بنیاد رکھ دی ہے۔ اکبر بگٹی کے قتل سے فوجی حکمرانوں کی مشکلات کم نہیں ہوں گی بلکہ اس میں اضافہ کا اندیشہ ہے۔ پھر مشرقی پاکستان کا سانحہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ لیکن بدقسمتی سے نہ اس وقت کے حکمرانوں نے اس سے سبق حاصل کیا اور نہ موجودہ فوجی حکمران اس سے کوئی سبق حاصل کر رہے ہیں۔ ملک خانہ جنگی کی طرف آہستہ آہستہ جا رہا ہے۔ افواج

پاکستان کی قدر ومنزلت ایک سازش کے ذریعے عوام کے دلوں سے کم کی جارہی ہے۔نواب اکبر بگٹی کی لاش کی واپسی بھی ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہے۔معلوم نہیں حکومت کے مشیر حکمرانوں کو کہاں لے جارہے ہیں؟

ے　نظر بدلی ہوئی ہے آسماں کی　　خدا سے خیر مانگو آشیاں کی

نامور شاعر وادیب احمد ندیم قاسمی کی وفات

سرزمین ادب کی نامور شخصیت اور زبان اردو کے درمیانی عہد کے آخری بڑے شاعر جناب احمد ندیم قاسمی بھی ۱۰ رجولائی ۲۰۰۶ء کو انتقال کر گئے۔جناب قاسمی صاحب آسماں علم وادب اور صحافت کے ستارے نہیں بلکہ آفتاب ومہتاب تھے۔ جو بالآخر بحرِ فنا میں ڈھل گئے۔　ع　اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

قاسمی صاحب کی شخصیت ہمہ جہت اور ہر دلعزیز تھی۔صحافت کے میدان میں آپ نے اردو زبان کے متعدد چوٹی کے رسائل کی ابتداء میں ادارت کی۔پھر پاکستان اور ہندوستان کے معروف ومؤقر ادبی میگزین ''فنون'' کے آپ بانی اور مدیر رہے اور اسی کے طفیل کئی درجن نئے لکھنے والے ادیب اور شاعر آپ کی نگاہ انتخاب اور دست ہنر کے بدولت اردو ادب کو حاصل ہوگئے۔ ے　ہجوم زیادہ ہے کیوں شراب خانہ میں　　فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

جناب قاسمی صاحب بے شک پاکستان وہندوستان کے بڑے اور عظیم شاعروں میں سے تھے۔اہل ادب کے نزدیک فیض احمد فیض کی خالی نشست قاسمی صاحب ہی نے پُر کی تھی۔اس کے علاوہ افسانہ نویسی جو اردو ادب کا ایک اہم جز ہے اس میں بھی آپ چوٹی کے افسانہ نویس مانے جاتے تھے۔آپ کے افسانوں میں حقیقت کا رنگ جھلکتا تھا اور آپ نے عمر بھر اپنے قلم سے معاشرے کی اصلاح اور بہتری کی کوششیں تا دمِ واپسیں جاری رکھیں۔اور بڑی حد تک اپنے قلم کو سفلی جذبات، خرافات اور گھٹیا ادب کی تخلیق سے دور رکھا۔

جناب قاسمی صاحب جیسے بزرگ ادیب اور نامور شخصیت کا اس قحط الرجال میں اٹھ جانا یقیناً ایک بہت بڑا قومی سانحہ ہے۔علم وادب کی سرزمین تو برسوں سے خزاؤں کی زَد میں ہے اور بنجر ہونے کے آثار وقرائن رفتہ رفتہ نمایاں ہورہے ہیں، ایسے میں آپ جیسی قد آور ادبی شخصیت کا بھی اٹھ جانا یقیناً ادب وصحافت کیلئے کسی بھونچال سے کم نہیں۔ اگر چہ آپ کافی عرصہ انجمن ترقی پسند مصنفین کے پرجوش رہنما اور حامی رہے لیکن بعد میں آپ نے اس سے اپنی راہیں الگ کر لی تھیں۔آپ کے خیالات اور تحریروں سے کلی اتفاق ضروری نہیں ہے، لیکن مجموعی طور پر احمد ندیم قاسمی صاحب ایک اچھے اور صادق انسان تھے۔آپ پاکستان اردو زبان اور ادب کے عظیم اثاثہ اور محسن تھے۔یقیناً آپ کی جدائی سے علم وادب اور اردو زبان کا مکتب برسوں نہیں صدیوں تک گھائل اور سنسان نظر آئے گا۔

ے　کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا　　میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا　(ندیم)

درس ترمذی شریف

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ
ضبط وترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی
معاون مفتی دارالافتاء جامعہ حقانیہ

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال
جامع امام ترمذی کے ابواب البر والصلۃ کے درسی افادات

باب ما جاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض
محبت اور نفرت میں میانہ روی کا بیان

حدثنا ابو کریب ثنا سوید بن عمرو الکلبی عن حماد بن سلمة عن أیوب عن محمد بن سیرین عن أبی هريرة' أراه رفعه' قال: أحبب حبيبك هونا ماعسى أن يكون بغيضك يوماً ما' وأبغض بغيضك هونا ما عسى أن يكون حبيبك يوماً ما. هذا حديث غريب لانعرفه بهذا الاسناد إلا من هذا الوجه. وقدروى هذا الحديث عن أيوب باسناد غيرهذا' رواه الحسن ابن ابى جعفر' وهو حديث ضعيف ايضاً' باسناد له عن على عن النبى صلى الله عليه وسلم والصحيح هذا عن على موقوف.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے (اور راوی کہتا ہے) کہ میرے خیال کے مطابق انہوں نے یہ روایت مرفوعاً نقل کی ہے) فرماتے ہیں کہ اپنے دوست کے ساتھ (معمول کے مطابق' اندازے سے) محبت کرو' ہوسکتا ہے کہ کسی دن وہ آپ کا دشمن بن جائے' اور اپنے دشمن کے ساتھ تھوڑی نفرت کرو' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن آپ کا دوست بن جائے۔۔۔ یہ حدیث غریب ہے' ہم اسے اس اسناد کے ساتھ اس مذکورہ طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔ اور یہ حدیث ایوب سے بھی اس اسناد کے علاوہ دوسری اسناد سے روایت ہوئی ہے۔ اس کی روایت حسن بن ابی جعفر نے کی ہے۔ اور یہ بھی ایک ضعیف حدیث ہے' اسی کی اسناد سے حضرت علیؓ سے اور انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت ہوئی ہے۔

توضیح وتشریح: اسلام ایسا توازن اور اعتدال کا مذہب ہے کہ فطری اور طبعی چیزوں میں بھی اعتدال' توازن اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے' محبت اور نفرت بھی انسان میں فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ اور محبت ونفرت دو ایسی چیزیں ہیں جو کہ انسان کو اعتدال کی راہ پر مستقیم نہیں رہنے دیتے۔ بلکہ یہ انسان کو اعتدال سے نکال دیتی ہیں۔ حدیث پاک

میں ہے کہ ’’حبک الشئی یعمی ویصم‘‘ یعنی کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔ اور وہ پھر اس کی برائی کو بھلائی اور اس کے عیب کو تصور کرتا ہے۔ اور اس کے عیوب سے وہ اندھا بہرا ہو جاتا ہے اور محبوب چیز یا محبوب فرد کو اونچے سے اونچا مقام اور مرتبہ دینے سے گریز نہیں کرتا۔ اس محبت میں غلو اختیار کرنے کی وجہ سے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو الوھیت کے مقام تک پہنچا دیا اور شرک و کفر میں مبتلا ہوئے، اور جہاں بھی شرک پیدا ہوا، محبت ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، نفرت سے شرک پیدا نہیں ہوتا، تاہم نفرت میں غلو اختیار کرنے کی وجہ سے یہودیت جیسی کفر و ضلالت پیدا ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھار محبوب چیز کو حاصل کرنے میں حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی طرح حدود شرعیہ کو پھلانگ کر انسان گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح بغض اور نفرت بھی انسان کو راہ اعتدال سے نکال دیتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں تنبیہ فرمائی ہے ولا یجرمنکم شنان قوم علی ألا تعدلو إعدلوا هو أقرب للتقوى (الآیۃ) یعنی کسی قوم کی دشمنی اور نفرت) تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف کو چھوڑ بیٹھو، عدل کرو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، یعنی نفرت اور دشمنی بھی ایسی چیز ہے جو انسان کو اعتدال سے نکال دیتا ہے، اس وجہ سے تنبیہ دی گئی کہ کسی قوم کی دشمنی تم کو اعتدال کے راستے سے نہ ہٹا دے، اعتدال اور میانہ روی، دین اسلام اور ایمان کا تقاضا ہے، اس لئے قرآن و حدیث میں ان چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کہ راہ اعتدال سے ہٹانے والی ہیں۔ اور خبردار کیا ہے کہ ان چیزوں کے متعلق ہوشیار رہئے۔ اور محبت و نفرت بھی انہیں چیزوں میں سے ہیں۔ اسوجہ سے حدیث پاک میں ارشاد ہے، من أحب لله و أبغض لله فقد استكمل الايمان (الحدیث) یعنی جس آدمی نے محبت اللہ تعالیٰ کے لئے کی، اور نفرت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کی تو اس کا ایمان مکمل ہوا۔ کیونکہ جو محبت اور نفرت میں اعتدال پر رہا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس نے حقیقتاً راہ اعتدال اختیار کرلی ہے اور دوسرے معاملات میں بھی وہ اعتدال سے نہ ہٹے گا۔ اور اعتدال پر قائم رہنا ہی کامل ایمان کی علامت ہے، اور محبت اور نفرت میں حدود شرعیہ پر قائم رہنا اور ان دونوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع بنا دینا ایمان مکمل ہونے کی ضمانت ہے۔

حدیث باب میں بھی ان دونوں چیزوں کو اعتدال پر رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان کے اندر مختلف قسم کی قوتیں موجود ہیں۔ قوت حیوانی، قوت شہوانی، قوت غضبی وغیرہ لیکن شریعت مقدسہ ان تمام چیزوں کو نفس کے جذبات کے تابع استعمال کرنے سے منع فرماتا ہے۔ بلکہ ہر قوت کے استعمال کے لئے مقام اور محل کا تعین فرماتا ہے اور ان میں اعتدال اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

اقتصاد کا مطلب: الاقتصاد: قصد سے مأخوذ ہے بمعنی درمیانی چال چلنے کے، قرآن کریم میں یہ مادہ کئی جگہ اسی معنی میں مستعمل ہے، واقصد فی مشیک واغضض من صوتک (الآیۃ) منهم أمة مقتصدة و كثير منهم ساء مايعملون ۝ وغیرہ آیات میں اسی اقتصاد اور اعتدال کی بہتری بیان کی گئی ہے،

اور آج کل اقتصاد کو معاش اور معاشیات کا ہم معنی تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا معنی موجود ہے کہ سرمایہ کو مناسب انداز ے سے بہتر سے بہتر جگہ پر لگایا جائے۔ اسمیں زیادہ بخل اختیار کرنا بھی نقصان دہ ہے اور نہایت بیدردی سے خرچ کرنا بھی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ ولاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا (الایۃ) والذین اذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما (الایۃ) جیسا کہ اکثر اسلامی ممالک سرمایہ کو نہایت بے دردی سے خرچ کرتے ہیں۔ فضول خرچی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر امریکہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں اور ان سے قرضے مانگتے ہیں اور بالآخر انکے سودی قرضوں تلے دب کر انکی محتاجی اور فقیری ان کا مقدر بن جاتا ہے' کاش کہ مسلمان قرآنی تعلیمات پر پختہ یقین رکھتے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر مرحلہ میں قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے تو کبھی بھی ان کو ذلت کا منہ دیکھنا نہ پڑتا۔

ع　　خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

دوستی اور دشمنی میں حد سے نہ بڑھو: أحبب حبیبک ھونا ما الخ: یعنی اپنے دوست کے ساتھ دوستی کرو' ایک حد میں رہ کر' سوچ اور احتیاط کیساتھ' جذبات میں آکر دوستی میں حد سے آگے نہ بڑھو۔ اور دوست پر ضرورت سے زائد اعتماد مت کرو' گھر کے اندرون اور بیرون تمام اسرار اور پوشیدہ راز اسکے سامنے ظاہر مت کرو' کیونکہ آج کا دوست کل کو دشمن بھی بن سکتا ہے۔ اگر خوانخواستہ یہی دوست کل کو دشمن بن گیا تو آپکے گھر کے تمام پوشیدہ چیزوں اور خفیہ رازوں سے وہ واقف ہوگا لہذا اس قسم کے مختلف پہلوؤں سے آپ کو نقصان پہنچانے میں اس کیلئے کوئی مشکل نہ ہوگا' نیز اگر اسکے دل میں آپکے ساتھ خفیہ دشمنی پیدا ہوگئی اور آپ اس پر پورا اعتماد کر رہے ہیں' اپنے اہل اور مال کے بارے میں بعض امور اسکے واسطے سے انجام دیتے ہو' تو ایسے حالات میں وہ آپ کو مختلف قسم کے پریشان کن اور مہلک خطرات سے دوچار کر سکتا ہے۔

اسی طرح دشمن کے ساتھ دشمنی میں بھی حد سے بڑھنا نہیں چاہیے' کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں' آج کا دشمن کل دوست بھی بن سکتا ہے' اگر دشمنی کی حالت میں تم نے اس کی ایذا رسانی اور اس کی بے عزتی و آبروریزی میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہو تو دوست بن جانے کے بعد آپ اس کے سامنے پشیمان اور شرمندہ ہوں گے۔ اس لئے دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا' وأبغض بغیضک ھونا ما عسی أن یکون حبیبک یوما ما۔ یعنی اپنے دشمن کے ساتھ دشمنی بھی آرام سے' سوچ اور احتیاط سے کرو' جذبات میں آکر حد سے تجاوز نہ کرو' ہوسکتا ہے کہ یہ دشمن کسی دن آپ کا دوست بن جائے' ہم لوگوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ معمولی فروعی اختلافات یا سیاسی اختلافات میں واقع ہو کر تمام خونی اور ایمانی و مذہبی رشتوں کو توڑ ڈالتے ہیں۔

حکمت کی تعلیم: غرض یہ کہ دوستی کی حالت میں دشمنی کی حالت کو بھی ملحوظ رکھنا اور دشمنی کی حالت میں دوستی کی

حالت کو ملحوظ رکھنا‘ نیز مالداری کی حالت میں فقیری اور تنگدستی کی حالت کو اور جوانی میں بڑھاپے کو‘ صحت کی حالت میں بیماری کو‘ اور زندگی میں حالتِ موت کو ملحوظ رکھنا وغیرہ‘ یہ وہ حکمت اور دور اندیشی کی باتیں ہیں جنہیں امت کو سکھانے کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں‘ ویعلمھم الکتب و الحکمۃ اور آپ ﷺ نے کھل کر واضح الفاظ میں انہیں بیان کر کے اپنی رسالت اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باب ما جاء فی الکبر

تکبر کا بیان

حدثنا ابو ھشام الرفاعی‘ أخبرنا ابوبکر بن عیاش عن الأعمش عن ابراھیم عن علقمة عن عبداللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردلٍ من کبرٍ‘ ولایدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان‘ وفی الباب عن أبی ھریرۃ و ابن عباس وسلمة بن الاکوع و أبی سعید ...... ھذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر موجود ہو‘ اور وہ آدمی جہنم میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان موجود ہو۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ‘ حضرت ابن عباسؓ‘ حضرت سلمہ بن الاکوع اور حضرت ابوسعیدؓ سے بھی روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

<u>توضیح وتشریح۔ تکبر:</u> دوسروں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا نام تکبر ہے۔ نیز حق کی تردید کرنا‘ حق کو ٹالنا اور دفع کرنا‘ اور حق کو باطل سمجھنا بھی تکبر ہے‘ جیسا کہ آنے والی روایت میں اس کی وضاحت ہوگی۔ تکبر نفس کی مہلک بیماریوں میں سے ایک ہے اور ایک انتہائی قبیح اخلاقی خرابی ہے‘ دل میں اگر یہ خرابی موجود ہے تو اس سے انسان کے بڑے بڑے نیک اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتا ہے اور تکبر کرنے والے پر حق تعالیٰ کو غصہ آتا ہے‘ کیونکہ بڑائی اور کبریاء اللہ تعالیٰ کا لباس ہے (کما یلیق بشانہ) اور تکبر کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ سے اس کا لباس چھیننے کی کوشش کرتا ہے‘ چنانچہ ایک حدیث پاک میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ: اور کبریا (بڑائی) میری چادر ہے۔ پس جو آدمی اس میں میرے ساتھ الجھتا ہے تو میں اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دوں گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تکبر تو اللہ تعالیٰ کی صفت اور کہا گیا کہ تخلقوا باخلاق اللہ اگر بندہ اس صفت کو اپناتا ہے تو عتاب کیوں؟ جواب یہ ہے کہ تکبر خالق کی صفت خاص ہے‘ مخلوق اسے اپنا کر در حقیقت جھوٹ بولتا ہے۔ تکبر کرنے

والا دراصل جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ کبر اور بڑائی انسان میں ہے ہی نہیں اور یہ اپنے آپ میں بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کا لباس زیب تن کرنا چاہتا ہے حالانکہ کسی دنیاوی چیف اور تھانیدار وغیرہ کا جو خاص یونیفارم ہوتا ہے قانوناً کسی غیر آدمی کو اس یونیفارم کے پہننے کی اجازت نہیں ہوتی لہٰذا اگر کوئی آدمی تھانیدار نہ ہو اور تھانیدار کا لباس پہنے تو حکومت اس شخص کو گرفتار کر کے اس کو سخت سزا دے گی کیونکہ اس نے جعلسازی کی ہے۔ افسر اور چیف کا یونیفارم کسی کو استعمال کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تو کیسی سنگین سزا کا مستحق ہوگا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا لباس خاص اور یونیفارم کو زیب تن کر رہا ہو؟ اس وجہ سے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو میرے لباس کو چھیننا چاہتا ہے تو میں اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دوں گا۔ لہٰذا تکبر بہت بری خصلت ہے ابلیس بھی تکبر کی وجہ سے ملعون ہوا۔

أبى واستكبر وكان من الكافرين (الاية) أنا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين (الاية)

تکبر عزازیل را خوار کرد		بزندان لعنت گرفتار کرد
چوں دانی تکبر چرا اے کنی		خطاے کنی و خطاے کنی

انسان کس طرح تکبر کرتا ہے؟ کیا وہ اپنی اصل خلقت کی طرف نہیں دیکھتا کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک حقیر قسم کے پانی کے قطرے سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے شان سے تکبر لائق نہیں ہے۔

<u>حکایت:</u> ایک بادشاہ ایک دفعہ اپنے شاہانہ شان وشوکت میں حشم وخدم کے ساتھ کسی راستے سے گزر رہا تھا کہ اس دوران ایک مجذوب پر ان کا گزر ہوا مجذوب اپنی حالت میں ایسا گم تھا کہ بادشاہ کی طرف زرہ برابر التفات نہ کیا۔ بادشاہ نے اس کے قریب آ کر اس سے کہا کہ أتعرف من أنا؟ تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ مجذوب نے پوری استغناء سے کہا: ہاں میں تمہیں جانتا ہوں أولك عذره، وآخرك مذره. وأنت تحمل بين ذلك قذرة، یعنی تیرا اول گندگی ہے (یعنی منی کا قطرہ) اور تیرا آخر بھی گل سڑ کر گندگی بنتا ہے۔ اور اول وآخر کے درمیان تو پاخانہ سے بھرا ہوا پھر رہا ہے۔

لايدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر ولايدخل النار من كان في قلبه مثقال حبة من إيمان.

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ جس کے دل میں زرہ برابر تکبر ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا یعنی تکبر ایسی صفت ہے کہ ایمان کیساتھ اس کی منافاۃ ہے اور ایمان اور تکبر دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ پس جبکہ اس کے دل میں تکبر ہے تو ایمان نہیں ہے اور جب ایمان نہیں ہے تو جنت میں کیسے داخل ہوگا؟ اس تاویل کے مطابق تکبر سے مراد ایسا تکبر ہے جو کہ ایمان لانے سے مانع ہو پس ظاہر ہے کہ جو شخص ایمان لانے سے تکبر کرتا ہو تو ایسا ذرہ برابر تکبر بھی ہو تو ایمان نہ ہوگا۔ پس جنت میں بھی وہ داخل نہیں ہوسکے گا۔

یا تاویل اس کی یہ ہے کہ اس تکبر کا بدلہ اور سزا ملنے کے بغیر وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ آج اس کے دل میں تکبر تھوڑا سا ہے لیکن یہ ایک بیج ہے جو کہ دل میں بویا گیا ہے، اگر اس کو اکھاڑ کر نہ پھینکا جائے تو یہ پھل پھول کر زیادہ ہوگا اور بالآخر اتنا زیادہ ہوگا کہ ایمان سلب ہو جائے گا تو جنت سے محروم ہوگا۔

ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة من ایمان الخ: یعنی جسکے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو تو وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا، اس دخول سے مراد بے ایمانوں اور کافروں جیسا دخول ہے، لہذا عصاۃ ایمان والوں کا بقدر معصیت جہنم میں داخل ہونے کا منافی نہیں ہے کیونکہ یہ دخول ابدی دخول اور کفار کی طرح دخول نہیں ہے۔

○　حدثنا محمد بن المثنی وعبدالله بن عبدالرحمن قالا ثنا یحیی بن حماد ثنا شعبة عن عن أبان بن تغلب عن فضیل بن عمرو عن إبراهیم عن علقمة عن عبدالله عن النبی ﷺ قال: لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر۔ ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان۔ قال: فقال رجل إنه یعجبنی أن یکون ثوبی حسناً ونعلی حسناً قال إن الله یحب الجمال ولکن الکبر من بطر الحق و غمص الناس۔ هذا حدیث حسن صحیح غریب۔

توضیح وتشریح: یہ روایت اور گزشتہ روایت دونوں ایک جیسی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں تھوڑے سے تکبر کیلئے بطور تمثیل مثقال حبة من خردل " (رائی کے دانے کے برابر) کے الفاظ مذکور ہوئے تھے، اور اس روایت میں مثقال ذرة (ذرہ برابر) کے الفاظ ذکر ہوئے۔ حاصل دونوں کا ایک ہے۔ اور دونوں قسم کے الفاظ کسی چیز کی بہت قلت اور کمی بیان کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

حبة من خردل: رائی کے دانے کو کہا جاتا ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ کلونجی کو کہا جاتا ہے، جس کو عربی زبان میں "الحبة السوداء" (کالا دانہ) کہتے ہیں اور "ذرة" بعض کے نزدیک چھوٹی سرخ رنگ کی چیونٹی کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک کمرے کے روشن دان میں اندر آنے والی سورج کی شعاع میں جو ہوا میں تیرتے ہوئے گرد وغبار کے اجزاء نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک جز ذرہ کہلاتا ہے۔ اردو میں بھی یہ اجزاء ذرات کہلاتے ہیں اور یہ تمام چیزیں قلت میں مبالغہ بیان کرنے کیلئے بطور تمثیل ذکر کی جاتی ہیں۔

عمدہ لباس پہننا تکبر نہیں اگر تکبر کیلئے نہ ہو: دوسرا فرق یہ ہے کہ اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بیان ہوا ہے: فقال رجل إنه یعجبنی أن یکون ثوبی حسناً الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے

تکبر کی برائی بیان فرمائی تو ایک صحابی نے فوراً اپنے دل کا جائزہ لے لیا' اور جان لیا کہ جیسا کہ تکبر کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ حسین منظر وہیئت بناتے ہیں فخر وغرور کیلئے خوبصورت لباس پہنتے ہیں اور ٹھاٹ باٹ میں چلتے پھرتے ہیں۔ میرا دل بھی تو کچھ ایسا ہے کہ عمدہ اور خوبصورت لباس کو پسند کرتا ہے' جوتے اچھے ہوں تو خوش ہوتا ہے' کہیں یہ تکبر نہ ہو' تو فوراً اپنے دل کی کیفیت کو بیان کر کے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ إنه يعجبني أن يكون ثوبي حسنا ونعلي حسناً (اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! ﷺ) مجھے بھی تو یہ پسند ہے کہ میرے کپڑے خوبصورت ہوں' میرے جوتے خوبصورت ہوں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ إن الله يحب الجمال' ولكن الكبر من بطر الحق وغمص الناس یقیناً اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ البتہ تکبر یہ ہے کہ کوئی آدمی حق کو ٹھکرا دے۔ اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ إن الله جميل يحب الجمال" بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے' اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرض یہ کہ جب کوئی دوسروں پر اپنے آپکو بڑا ظاہر کرنے کیلئے اور دوسروں کو حقیر سمجھ کر اچھے اور قیمتی لباس پہنتا ہو تو تب تو یہ تکبر ہے' نیز اگر اپنے حسن وخوبصورتی' شباب و جوانی اور مال ونعمت کے نشے میں مست ہو کر حق بات کے مقابلے پر اتر آیا اور حق کو ٹھکرانے لگا اور حق بات اور صحیح مسئلہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ اپنے آپکو مستغنی سمجھتا ہے اور اسکا فخر وغرور اس کو حق کیلئے منقاد ہونے نہیں دیتا' یہی تکبر ہے' پشتون قوم میں بھی یہ بیماری ہے کہ اگر صاف واضح ہو جائے کہ یہ رسم خلاف شرع ہے لیکن یہ اپنے آپکو ضرور پشتون سمجھتا ہے' اور اسکی پشتو کی روایات اس کو اسلامی روایات کے قبول کرنے سے مانع بنتی ہیں۔ یہی تکبر ہے' اگر حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو' اور لوگوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتا ہو لیکن' نظافت' اور پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کیلئے عمدہ لباس پہنتا ہو' عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر بھی کمزوروں' غریبوں اور ناداروں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتا ہو' تو یہ تکبر نہیں ہے' اگرچہ اسکو یہ پسند ہے کہ میرے کپڑے عمدہ ہوں' جوتے اچھے ہوں' مکان اچھا اور خوبصورت ہو' موٹر کار وغیرہ قیمتی ہو' یہ تکبر نہیں ہے بلکہ جسکو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کی نعمت دی ہو' تو اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اسکی نعمتوں کا اثر اس پر ظاہر ہو

○ حدثنا ابو كريب ثنا أبو معاوية عن عمر بن راشد عن إياس بن سلمة بن الأكوع عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ :لايزال الرجل يذهب بنفسه حتى يكتب في الجبارين فيصيبه ما أصابهم" هذا حديث حسن غريب۔

ترجمہ: حضرت ایاس بن سلمہ بن الأکوع اپنے باپ (سلمہ ابن الأکوع رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی اپنے آپ کو بلند اور اونچا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جبارین میں سے لکھا جاوے گا' پھر اس کو بھی وہی عذاب پہنچ جائے گا جو کہ ان (جبارین' فرعون' ھامان' قارون وغیرہ) کو پہنچ چکا تھا' ---یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح وتشریح: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے نفس کو بلند اور اونچا کرتا رہا اور اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دیتا رہا اور اپنے آپ کو بڑا اور محترم ومکرم سمجھتا رہا اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا نام جبارین متکبرین کے دیوان میں درج کرایا جائے گا۔ اور پھر ان جبارین فرعون ہامان اور قارون وغیرہ کو جو عذاب ملا ہو' یہ جابر بھی اس قسم کے کسی عذاب کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ نیز آخرت میں بھی اس کا حشر ان جبارین متکبرین کے ساتھ ہوگا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منھا)

O حدثنا علی بن عیسی بن یزید البغدادی ثنا شبابة ابن سوار أخبرنا ابن أبی ذئب عن القاسم بن عباس عن نافع بن جبیر ابن مطعم عن أبیه قال: یقولون لی فی التیه' وقد رکبت الحمار ولبست الشملة وقد حلبت الشاة وقد قال لی رسول اللہ ﷺ من فعل هذا فلیس فیه من الکبر شئی ''هذا حدیث حسن غریب۔

ترجمہ: حضرت نافع بن جبیر بن مطعم اپنے باپ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ روایت نقل کرتے ہیں' کہ وہ کہا کرتے تھے' کہ لوگ کہتے ہیں کہ میرے اندر تکبر موجود ہے' حالانکہ میں تو ایسا ہوں کہ میں گدھے کی سواری کر چکا ہوں' پھٹے پرانے کپڑے پہن چکا ہوں۔ اور بکری کا دودھ دوھ چکا ہوں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جس نے یہ مذکورہ کام کر دیئے ہوں تو اس میں ذرہ برابر تکبر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح وتشریح: اس روایت کا یہ حاصل ہے کہ بعض لوگوں میں کچھ ایسی طبعی صفات پائی جاتی ہیں جن پر لوگ تکبر کا گمان کرتے ہیں' مثلاً بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے' کہ اس کو خلوت اور تنہائی اچھی لگتی ہے' لوگوں کیساتھ زیادہ میل ملاپ نہیں رکھتا' بعض افراد کے چلنے میں کچھ ایسا انداز ہوتا ہے کہ بظاہر وہ فخر اور غرور معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس کی طبعی عادت ہوتی ہے۔ تکبر اور غرور نہیں ہوتا' اس وجہ سے یہ صحابی حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اسکے نفس میں کچھ غرور اور تکبر ہے۔ حالانکہ میں نے تو کبھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھا۔ کبھی تکبر نہیں کیا۔ جس کی علامت یہ ہے کہ میں نے گدھے کی سواری کی ہے' اس سے کبھی عار نہیں سمجھا۔ پھٹے پرانے کپڑے بھی پہن لیتا ہوں' بکریوں کا دودھ دوہتا ہوں' یہ ایسے کام ہیں جنکے بارے میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کئے اس آدمی میں تکبر نہیں ہوتا۔ چنانچہ خود جناب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اپنی بیویوں کیساتھ گھر کے کام کاج میں حصہ لیتے تھے' اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے۔ نیز بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا' مکان میں جھاڑو دینا' جوتے صاف کرنا' سالن پکانا وغیرہ مختلف کام خود کرنے سے سنت نبوی ﷺ بھی زندہ ہوتی ہے اور انسان کے نفس کا غرور بھی ختم ہو جاتا ہے۔

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حقوق العباد' فضیلت واہمیت اور تفصیلات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

وعن عائشہ و ابن عمر عن النبی صلعم قال مازال جبرائیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیلؑ مجھ کو ہمیشہ ہمسایہ کے حق کا خیال رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے' یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت جبرائیلؑ عنقریب پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار دیں گے۔

کلمہ شہادت کے دونوں جملوں کا اقرار:

اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر مذہب ہے' ہر دور و ہر زمانہ میں قیامت تک عبادت و زندگی کا ایسا شعبہ نہیں جس کا احاطہ اسلام نے نہ کیا ہو' اور اس میں اس کا حل موجود نہ ہو' ہم میں سے بعض لوگوں نے دنیا کو یہاں تک محدود کر دیا ہے' کہ صرف نماز پڑھی جائے اور بس۔ کسی کا خیال ہے کہ صرف کلمہ طیبہ پڑھنا ہی مسلمان ہونے اور اسلام میں داخلہ کے لئے کافی ہے' کوئی یہ سمجھ بیٹھا کہ دین کی خدمت صرف اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا نام ہے۔ لا الہ الا اللہ کہہ کر محمد الرسول اللہ یعنی کہ حضور کو پیغمبر تسلیم کرنے کی بھی ضرورت نہیں (معاذ اللہ) حالانکہ یہ تصور بھی کفر ہے کہ ختم الرسل کے رسالت کا عقیدہ نہ رکھنے والا مسلم ہو سکتا ہے اور حضور کے نبوت اور رسالت کا اقرار کرنے والا اللہ کی وحدانیت تسلیم کئے بغیر مسلمان ہو سکتا ہے' کلمہ شہادت کے ان دونوں جملوں کے اقرار اور صمیم قلب سے ان کو مانے بغیر دین حقہ میں داخل ہونے کا تصور بھی ناممکن ہے۔

دین کی جامعیت: دین صرف چند عبادات کا نام نہیں۔ بلکہ یہ نام ہے پانچ چیزوں پر عمل پیرا ہونے کا۔ جو کہ

عقیدے، عبادات، معاملات معاشرہ اور اخلاق پر مشتمل ہے، ان میں سے صرف کسی ایک پر عمل کر کے باقی کو پس پشت ڈالنے والا اپنے آپ کو کامل مسلمان ہونے کا دعویدار گردانتا یہ صرف خام خیالی اور اپنے آپ کو دھوکہ میں مبتلا کرنے والا معاملہ ہے۔

اتباع سنت:

قرآن بار بار اور ارشادات نبوی کثرت سے حضور انورﷺ کی اطاعت اور ان کی تعلیمات اور سنتوں کی اتباع پر زور دیتا ہے، اور یہی آقائے نامدارﷺ کے ارشادات اور سنتوں پر اتباع ہی دنیا و آخرت کی نجات کا ذریعہ ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی ہم میں سے اکثر لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کو صرف چند عبادات مثلاً صوم وصلوٰۃ ہی سمجھ کر معاملات، ایک دوسرے کے حقوق، معاشرت کے آداب، انسانیت کا احترام اخلاق حسنہ کو اختیار کرنا جیسے احکامات و تعلیمات کو ایسے بھلا بیٹھے جیسے یہ دین کا حصہ ہی نہیں اور نہ یہ امور اللہ و رسول کے اطاعت و اتباع میں شامل ہیں، حضرت عائشہ سے کسی نے سوال کیا کہ رسول اکرمﷺ کے اخلاق کیسے تھے۔ فرمایا کان خلقہ القرآن، یعنی قرآن میں ایک کامل مومن کے عبادات، معاملات، حسن معاشرہ، حقوق انسانی وغیرہ جو احکامات ذکر ہیں، آپ ان پر اس انداز سے عمل کرتے رہے جیسے آپ زمین پر چلتے ہوئے مجسم قرآنی تھے۔ رسالت مآبﷺ کے بعثت کا مقصد قرآن کے احکامات اور قوانین پر عمل کر کے ایک ایسا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا جسے اپنا کر گمراہ انسانیت کو صراط مستقیم پر لایا جاسکتا ہے، آپ کی بحیثیت پیغمبر دنیا میں آمد تمام کائنات پر بہت بڑا احسان ہے ان کے افعال واقوال حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا مظہر ہیں۔

حضورؐ کی ذات اقدس مشعل راہ: اللہ جل شانہ نے حضورؐ کو ایک مثالی نمونہ بھیج کر انسانیت کو حکم دیا کہ زندگی کے ہر موڑ پر عبادات و معاملات اخلاق و معاشرت، عادات و اطوار میں اس نمونہ کو مشعل راہ بنا کر اوروں کو بھی اسی نمونہ کے اختیار کرنے کی تلقین کریں، حدیث کے کتب بالخصوص صحاح ستہ میں ایک مستقل باب شمائل النبی صلعم کے نام سے موجود ہے جسے اہمیت سے پڑھایا جاتا ہے، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی سیرت اور شمائل عملی قرآن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حقوق العباد اور احترام آدمیت:

جیسے کہ مسلمان کے لئے حقوق اللہ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج کی ادائیگی ضروری ہے، اسی طرح حقوق العباد کو بھی ادا کرنا انتہائی اہم اور لازمی ہیں، حقوق اللہ میں اگر انسان سے کوتاہی، کمی و نقصان ہو جائے اور صدق دل سے توبہ اور تلافی کی کوشش کی جائے تو رب العزت معاف فرما دیں گے۔ مگر انسانوں کے حقوق جب تک جس کا حق مارا گیا ہے اس کے ساتھ اپنا معاملہ طے نہ کرے معافی کی گنجائش نہیں۔ دین محمدی جو ادیان عالم میں عدل و انصاف کے قیام اور ظلم واستبداد کو جڑ سے اکھاڑنے میں سب سے بڑا علمبردار ہے، اس میں حقوق العباد اور احترام آدمیت سرفہرست ہے۔

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک:

حتیٰ کہ انسان تو انسان ہے، جانوروں اور غیر ذی عقول مخلوق کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تلقین شدت سے کی گئی ہے۔ مثلاً چیونٹی اذی اور تکلیف کا باعث نہ بنے تو اس کے مارنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر زیادتی نہ کرنے کے اس واقعہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ

وعن ابوهريرة قال قال رسول الله ﷺ قرصت نملة نبيا من الانبياء فامر بقرية النمل فاحرقت فاوحى الله تعالىٰ اليه ان قرصتك نملة احرقت امة من الامم تسبّح (بخاری مسلم)

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے انبیاء میں سے ایک نبی کا واقعہ ہے کہ ایک دن ایک چیونٹی نے اس کو کاٹ دیا، انہوں نے ان چیونٹیوں کے تمام سوراخ کو جلا دینے کا حکم فرمایا، سوراخ جلا دیا گیا، جس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور تم نے امتوں میں سے ایک امت کو جلا ڈالا جو اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مصروف رہتی ہے۔

بغیر تکلیف پہونچائے اسلام میں جانوروں کا مارنا بھی جائز نہیں۔ چہ جائے کہ انسان کو ضرر پہونچایا جائے، یہاں یہ بات آپ حضرات کو ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اگر چیونٹیاں نقصان پہونچانے کا ذریعہ بن جائیں تو پھر ان کا مارنا اور ان کے دفع کے لئے کوئی ذریعہ استعمال کرنے کی گنجائش موجود ہے، اور ایذاء کا سبب نہ بننے والوں کی ہلاکت سے احتراز کرنا چاہیے۔

تسخیر وطاقت کا غلط استعمال:

آپ کو معلوم ہے کہ رب العالمین نے اس کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کر کے ان میں سے اکثر و بیشتر اسی بنی آدم کی خدمت پر مامور ہیں۔ مگر اس عظمت وشرافت سے غلط فائدہ اٹھا کر قطعاً یہ اجازت نہیں کہ اس تسخیر کو غلط اندازہ میں استعمال کیا جائے۔ اپنے شوق اور تفریح کے لئے کسی بھی جاندار کو بلاضرورۃ اور غیر شرعی طریقہ سے ہلاک کرنا بھی اپنی قوت اور غلبہ کے ناجائز استعمال کرنے کے زمرہ میں آتا ہے۔

جانوروں کے ناحق مارنے پر باز پرس:

ارشاد نبویؐ ہے: عن عبدالله بن عمرو ابن عاص ان رسول الله ﷺ قال من قتل عصفوراً فما فوقها بغير حقها سأله الله عن قتله قيل يارسول الله ﷺ وما حقها قال ان يذبحها فياكلها ولا يقطع رأسها فيرمى بها (رواہ احمد)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو ابن عاص سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی چڑیا یا اس سے بڑے کسی جانور (یا پرندہ) کو ناحق مارے تو رب العزت اُس شخص سے اس ناحق مارنے پر باز پرس کریگا، پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ

اوراس چڑیا کا حق کیا ہے‘ فرمایا یہ کہ اس کو ذبح کیا جائے‘ پھر کھایا جائے یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے۔

حکمت تخلیق:

اسلام کے ان بے مثال‘ اعلیٰ وارفع تعلیمات کا نچوڑ‘ اور خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کے مالک وخالق نے کارخانہ عالم میں جن اشیاء کو پیدا فرمایا۔ ہر ایک کی پیدائش میں رب تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت پنہاں ہے۔ بغیر حکمت کسی کو بھی عبث پیدا نہیں کیا گیا‘ یہ الگ بات ہے کہ انسان اپنے محدود عقل ودانش کی بناء پر تخلیق کی حکمت پیدائش تک پہونچنے سے عاجز ہے‘ جب کسی کا معرض وجود میں آنا بلامقصد نہیں تو ہر ایک کے حقوق بھی بیان کئے گئے‘ جس طرح انسان کو اپنے بقاء اور وجود کے حفاظت کا حق دیا گیا یہی صورتحال ہر ذی روح کی ہے‘ جیسے کسی انسان کو بلاوجہ ہلاک کرنا جرم ہے‘ اسی طرح جانور کی جان بھی بلاوجہ اور غیر شرعی طریقہ سے لینا ایسا جرم ہے کہ اس کا بھی روز محشر باقاعدہ مواخذہ ہوگا‘ جانور کا حق یہ ہے کہ اسے اسلامی احکامات کی روشنی میں ذبح کر کے کھایا جائے یہ نہیں کہ صرف ذوق وشوق کی تسکین کے لئے مارنے کے بعد ایک بے مقصد چیز سمجھ کر پھینک دیا جائے۔

انسانی حقوق کے مختلف معیار:

آج مسلمانوں کے علاوہ کئی اقوام وادیان کے دعویداران حقوق کی ادائیگی کے علمبردار بن کر انہی حقوق کے نام پر دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ کچھ تو اس میں ہم مسلمانوں کا عمل دخل بھی ہے‘ کہ انہوں نے شریعت مطہرہ کے بتائے ہوئے اخلاق وحسن معاشرہ کے زرین تعلیمات پر عمل چھوڑ کر کفار واغیار ان تعلیمات کے دعویدار بن بیٹھے اور مسلمانوں کو حقوق انسانی کی پاسداری نہ کرنے پر مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ دنیا میں کئی ادارے‘ تنظیمیں اور ملک حقوق انسانی کے خوشنما لیبل کو اٹھا کر مسلم امہ کو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ یہ لوگ خود انسانی حقوق کی پامالی کے چیمپئن بن کر اپنے سے کمزور اقوام کو ایک ظالم وخونخوار بھیڑیے کی طرح جس طرح نوچ رہے ہیں‘ دنیائے عالم کا انصاف پسند طبقہ جن کے آنکھوں پر تعصب اور اسلام دشمنی کے پردے نہیں نوحہ کناں ہے‘ ہر علاقہ اور قوم کے لئے حقوق کے الگ الگ معیار قائم ہیں۔ جس جگہ اپنے مقاصد اور مفادات حاصل کرنا مشکل نظر آتا ہے ۔اسلام کی زرین اور آفاقی اصولوں کو حقوق انسانی سے متصادم قرار دیا جاتا ہے۔

اسلام کا بلند معیار حقوق: دوہرا معیار اپنا کر پھر بھی انسانی حقوق کے خالق اور بنانے والوں میں اپنے کو شمار کرنا انتہائی بے شرمی اور ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے۔ ورنہ اگر دشمنی اور تعصب کے عینک اتار کر بغور اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں وہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب‘ تمدن‘ معاشرہ اور حقوق کی ادائیگی کا لزوم ہے کہ دنیا کے کسی قوم ومذہب کے اندر بھی ایسی صفات موجود نہیں۔

جانوروں کے حقوق اور نبوی ہدایات:

دین اسلام کی تعلیمات تو اس قدر سراپائے رحمت وشفقت ہیں کہ جانور سے کام لیتے وقت بھی اس کے

بھوک اور سفر کی صلاحیت کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں' یہاں تک امام الانبیاء نے فرمایا کہ اگر اسے ذبح کرنے کی نوبت آئے تو چھری خوب تیز کرلیا کرو' رحمت کی انتہا ہے' کہ اگر چہ عظمت وشرافت بنی آدم کی وجہ سے ذبح جو بظاہر تکلیف ہے کی اجازت مل گئی ہے۔ مگر اس میں بھی آرام پہونچانے کا حکم دیا گیا' ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا سافرتم فی الخضب فاعطوا الابل حقها من الارض و اذا سافرتم فی السنة فاسرعوا علیها السیر و اذا عرستم باللیل فاجتنبوا الطریق فانها طرق الدواب ومأوی الهوام باللیل وفی روایة اذا سافرتم فی السنة فبادروا بها نقیها (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جب تم نے شادابی وآبادی کے زمانہ میں اونٹوں پر سفر کرنا ہوتو (سفر کے دوران) ان اونٹوں کو زمین سے کھانے کا حق دو (تاکہ وہ پیٹ بھر کر تیز سفر طے کرسکیں) اور جب قحط کے زمانہ (یعنی گھاس وغیرہ نہ ملے) میں سفر کرو تو سفر تیزی سے ختم کرنے کی کوشش کرو تاکہ گھاس وچارہ نہ ملنے کی وجہ سے بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہوکر بدنی کمزوری میں مبتلا ہونے سے پہلے پہلے تمہیں منزل مقصود تک پہونچادیں۔ اور جب رات کو تم کہیں (آرام کے لئے) رکنا چاہو تو راستے کے درمیان نزول نہ کرو۔ کیونکہ یہ راستے جانوروں اور موذی حشرات کی گزرگاہیں بن جاتی ہیں' اور ایک روایت میں یوں بھی ہے' کہ جب تم قحط کے زمانہ میں ان پر سفر کرو تو تیزی سے کرو اور ان کے (ہڈیوں) میں گودا موجود ہے۔ چونکہ وہ دور دراز علاقہ سفر واسفار کے لئے صرف اونٹ ہی کے استعمال کا تھا اسی لئے حدیث مبارکہ میں اونٹ کا ذکر ہے' ویسے یہ حکم وہدایت تمام جانوروں کے لئے ہے۔

اصلاح معاشرہ کی نبوی تعلیمات:

غرض جس دین نے جانوروں پر رحمت کا حکم دیا ہے وہ انسانوں پر رحمت وشفقت کے حکم سے کیسے خالی ہوگا' اسلام اور حضور ﷺ کی آمد سے پہلے دنیا میں جہل' ظلم' ناانصافی' بداخلاقی اور گناہوں کا دور دورہ تھا' اس فطری اور عالمگیر دین اور اس کے مقتدیٰ رحمۃ العالمین کی بعثت کا مقصد روئے زمین پر رہنے والوں کو گمراہی' ظلم وجبر اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر صراط مستقیم' علم کی روشنی' امن وسکون' اتفاق واتحاد' امن وسلامتی' جیسے نمایاں خصوصیات اور کمالات کا حامل بنانا تھا' اللہ اور حضور اکرم ﷺ نے ان تمام شعبہ جات میں اصلاح معاشرہ کے جو تعلیمات ذکر فرمائے وہ ایسے واضح اور غیر مبہم ہیں' کہ کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا' کہ زندگی کے فلاں شعبہ میں اپنے ماننے والوں کو دین حقہ نے کوئی ہدایات نہیں دی۔

حقوق العباد کی اہمیت: زندگی میں انسان کو جن معاملات سے واسطہ پڑتا ہے وہ دو ہیں۔ اللہ سے واسطہ اور یا اس کے مخلوق سے تعلق اور معاملہ اللہ سے جن امور کا تعلق ہے وہ حقوق اللہ اور اس کے مخلوق سے جو معاملات ہیں وہ حقوق العباد کہلائے جاسکتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ہم میں سے اکثر مسلمانوں نے حقوق اللہ یعنی نماز

'روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ پر عمل کرتے ہوئے حقوق العباد کی طرف توجہ دینا ہی چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ حقوق اللہ کی اپنی عظمت حیثیت اور مقام ہے جس کیساتھ ساتھ مخلوق کی حقوق کا خیال رکھ کر ان کے بارہ میں دیئے ہوئے احکامات پر عمل کرنا بھی دین وایمان کا لازمی جزو ہے۔ بے شمار آیات واحادیث دلالت کررہے ہیں کہ اللہ کے حق میں کوتاہی اور تقصیر کی صورت میں اگر صدقِ دل سے ذات باری کے حضور انسان توبہ تائب ہوجائے تو اس ذات رحیم وکریم کی طرف سے معافی مل سکتی ہے اور اس کے مخلوق کے کسی حق میں زیادتی کمی ہوجائے تو رب کائنات اپنے صفتِ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق اسوقت تک اس زیادتی کرنے والے کو معاف نہیں فرماتے جب تک وہ بندہ اسے معاف نہ کرے یا خود اس سے اپنا معاملہ طے نہ کرے۔

حقوق العباد کی تفصیلات: یہاں یہ بات یاد رکھی جائے کہ انسان کا حق صرف مال تک محدود نہیں کہ کسی کے مال کو غصب کیا جائے ڈاکہ زنی اور چوری کا ارتکاب ہو۔ حقوق العباد ان کے علاوہ اور نہیں' یہ بالکل غلط تصور ہے' حقوق العباد کی تفصیلات اور اقسام واصناف احادیث ودینی کتب میں انتہائی تفصیل سے ذکر ہیں۔ والدین کی اولاد پر حقوق اولاد کے والدین پر' خاوند پر بیوی کا حق' بیوی کا شوہر پر' پڑوسی کا پڑوسی پر حق' آجروں کا اجیر پر' اور اجیر کا آجر پر' حاکم کا رعایا پر اور رعایا کا حاکم پر' ہر انسان پر اپنے نفس کا حق' وغیرہ' ان حقوق میں بھی حق تلفی' بندوں کے حقوق مالیہ میں کمی وزیادتی کرنے کے برابر ہے بلکہ بعض میں کوتاہی کرنا' حقوق مالی میں خیانت کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔

خطبہ عرفات انسانی حقوق کا چارٹر: حضورؐ نے عرفات کے میدان میں لاکھوں اسلام کے پروانوں' صحابہ کو ایک ایسا جامع مفصل آخری خطاب فرمایا جو کہ تا قیامت آنے والوں مسلمانوں کیلئے اپنے زندگیوں کے سنوارنے کا عظیم منشور ہے' جس کا ایک ایک جملہ قیامت تک پیدا ہونے والے اسلام دشمنوں اور روشن خیالی وترقی پسندی کے نام پر اپنے قبیح عزائم کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے منصوبے بنانے والوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے عبرت آموز اسباق موجود ہیں۔ ایک لمبی تمہید کے بعد سرور کائناتﷺ نے فرمایا:

الا ان اموالکم ودمائکم واعراضکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا من یومکم ھذا الی یوم القیامۃ:

ترجمہ: خبردار تمہارے اموال اور جانین اور عزتیں آج سے یوم قیامت تک اس طرح حرام ہیں جیسے اس یوم عرفہ معظم میں شہر اور بلد معظم میں حرام ہیں اسی طرح ان کی حرمت جیسے آج ہے یہ اشیاء ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

الغرض خطبہ کے ابتداء میں پیش کردہ دونوں احادیث مبارکہ امت مسلمہ کو سختی سے حقوق العباد کی ادائیگی اور کسی کے جان ومال کو نقصان نہ پہونچانے کے سلسلہ میں مشعل راہ ہیں' اسی موضوع پر مزید معروضات انشاء اللہ اگلے جمعہ عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ رب العزت مجھے اور جملہ مسلمانوں کو اللہ کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کے ساتھ اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے کی توفیق سے مالامال فرمادیں۔ امین

بحث و نظر

محمد مشتاق احمد *

حدود قوانین پر ایک اہم تنقید کا جائزہ

(حدود قوانین پر اس وقت ہر جگہ بحث چھڑی ہوئی ہے۔ پارلیمنٹ میں بل کے ذریعے ترامیم پیش کر دی گئیں ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل بھی ان قوانین کا از سرِ نو غور و فکر کر رہی ہے۔ اس موضوع پر جناب ڈاکٹر طفیل ہاشمی صاحب نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جو کچھ عرصہ قبل ''عورت فاؤنڈیشن'' نے شائع کی۔ راقم الحروف نے اس کتاب پر ایک ناقدانہ تبصرہ لکھا ہے جس میں حدود سے متعلق مختلف امور بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اسے قارئین الحق کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔)

پچھلے کچھ عرصے سے حدود قوانین پر تنقید کا ایک سلسلہ چل پڑا ہے جو اس لحاظ سے تو ایک خوش آئند امر ہے کہ سوچنے سمجھنے والے لوگوں کی جانب سے قوانین پر تنقید کے ذریعے ان میں موجود خامیوں کے ازالے کی راہ نکلتی ہے۔ تاہم اس سلسلے میں کی جانے والی تنقید عموماً جذباتی نعروں اور اصول قانون (Jurisprudence) سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ناقدین بالعموم اسلامی قانون سے بالکل ہی ناواقف ہوتے ہیں اس لئے اپنی تنقید میں وہ حدود قوانین اور حدود اللہ کے فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فقہاء کرام رحمھم اللہ کی اصطلاح میں ''حـــد'' کی تعریف کچھ یوں ہے:　　عقوبة مقدرة واجبة حقا لله تعالی۔(۱)

''(شارع کی جانب سے) مقرر کی گئی سزا جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہے۔''

جبکہ ''حدود قوانین'' سے مراد وہ چار آرڈی نینس ہیں جو جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں ۱۹۷۹ء میں پاکستان میں رائج کیے گئے اور جن کے ذریعے شرعی سزاؤں کو پاکستان کے تعزیراتی نظام کا حصہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ یہ کوشش ظاہر ہے، انسانی کوشش ہے اس لئے اس میں غلطی کی بھی گنجائش ہے اور کوتاہی کی بھی۔ لیکن مسئلہ اس وقت پیدا ہو جاتا ہے جب حدود قوانین اور شرعی حدود کے درمیان فرق کو نظر انداز کیا جائے۔

اس جذباتی فضا میں ضرورت اس امر کی تھی کہ سنجیدہ اور فہمیدہ لوگ ایک طرف حدود قوانین کا غیر جذباتی اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیں اور دوسری طرف شرعی حدود کی حقیقت اور اسلامی تعزیراتی نظام کا صحیح نقشہ پیش کریں۔ جناب

---

* لیکچرر شعبۂ قانون۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کی کتاب ''حدود آرڈیننس ۔ کتاب وسنت کی روشنی میں'' اس قسم کی ایک اہم کوشش ہے۔ اس کتاب کو صوبہ سرحد کی ایک غیر سرکاری تنظیم ''نیشنل ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ فاؤنڈیشن'' کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کا ایک اور ایڈیشن ایک اور غیر سرکاری تنظیم ''عورت فاؤنڈیشن'' کی جانب سے بھی شائع کیا گیا ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کی شخصیت دینی اور تحقیقی حلقوں میں جانی پہچانی ہے۔ کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ حدود قوانین پر تنقید کے سلسلے میں فقہ اسلامی کو نظر انداز نہیں کیا گیا ورنہ عموماً ناقدین نے فقہ اسلامی کو درخور اعتنا نہیں سمجھا ہے۔

کتاب کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ حدود قوانین کا جائزہ لیتے ہوئے مؤلف کتاب نے فقہاء کی متفقہ آرا کو مدنظر رکھا ہے۔ (۲) خود فاضل مؤلف کا کہنا ہے کہ:

''کتاب وسنت کی متفقہ تعبیر وتشریح کے بجائے ایک متعین فقہی مکتب فکر کی تعبیر کو حرف آخر قرار دینا بالخصوص حدود کے حوالے سے درست نہیں ہے۔'' (۳)

لیکن حیرت ہوتی ہے کہ مؤلف کتاب نے کئی مقامات پر خود اپنے وضع کردہ اس اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ ذیل میں ایسے ہی چند امور کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ان موضوعات پر مؤلف کتاب کے دلائل پر مختصر تبصرہ ہم بعد میں کریں گے۔

فقہاء کے متفقہ فیصلوں کی خلاف ورزیاں

۱۔ تمام فقہاء نے حدود کو ''مقررہ'' سزائیں کہا ہے، اور اس کا اقرار فاضل مؤلف کو بھی ہے (۴)۔ اس کے باوجود بھی انہوں نے اپنی توانائیاں اس پر صرف کیں کہ کسی طرح انہیں ''انتہائی'' یا ''زیادہ سے زیادہ'' سزائیں ثابت کیا جائے (۵)۔

۲۔ فاضل مؤلف کو اقرار ہے کہ تمام فقہاء کا متفقہ موقف یہ ہے کہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا رجم ہے (۶)۔ لیکن اسکے باوجود انہوں نے اس موقف کی مخالفت میں طویل بحث کر کے اس موقف کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے

۳۔ مؤلف نے زنا بالجبر کو حرابہ قرار دینے کا جو موقف اختیار کیا ہے (۷) وہ بعض فقہاء مالکیہ کا ہے مگر اسے فقہاء کا متفقہ موقف نہیں قرار دیا جا سکتا جبکہ مؤلف کا مطالبہ ہے کہ ''صرف ایسی صورتوں کو جرائم موجب حد قرار دینا چاہیے جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہو۔'' (۸)

۴۔ جن مالکیہ فقہاء نے زنا بالجبر کو حرابہ میں شمار کیا ہے ان کے نزدیک بھی اس کی سزا رجم نہیں ہے لیکن فاضل مؤلف رجم کو زنا بالجبر، بلکہ حرابہ کی ہر شنیع قسم، کی سزا قرار دیتے ہیں۔ (۹)

۵۔ فقہاء کے متفقہ موقف کے برعکس فاضل مؤلف کا کہنا ہے کہ زنا بالجبر اور حرابہ کے ثبوت کے لئے ''اسلامی شریعت ۔۔۔۔ نے گواہوں کی شرط نہیں رکھی، بلکہ ہر طرح کے ذرائع تحقیق سے کام لینے کا طریقہ اختیار کیا۔'' (۱۰)

۶۔ حدود میں خواتین کی گواہی کے معاملے میں بھی فاضل مؤلف نے فقہاء کے متفقہ موقف کی خلاف ورزی کی ہے۔ (۱۱)

۷۔ یہی معاملہ غیر مسلموں کی گواہی کا بھی ہے۔(۱۲)

۸۔ فقہاء میں سرقہ کے نصاب کے معاملے میں اختلاف ہے۔تاہم اس قدر امر ان سب کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ نصاب کا معاملہ نص پر مبنی ہے نہ کہ اجتہاد پر۔اسکے باوجود بھی فاضل مؤلف نصاب کے تعین کو اجتہادی امر قرار دیتے ہیں۔(۱۳)

۹۔ فاضل مؤلف کے ترکش کا ایک تیر ''مفہوم مخالف'' بھی ہے جسے وہ مطلقا معتبر قرار دیتے ہیں(۱۴)، حالانکہ مفہوم مخالف کو معتبر سمجھنا تمام فقہاء کا متفقہ موقف نہیں ہے اور جو فقہاء اسکے قائل ہیں انہوں نے بھی اس کیلئے شرائط رکھی ہیں

۱۰۔ حرابہ کی مختلف سزاؤں میں ترتیب کے معاملے میں بھی فاضل مؤلف کا اختیار کردہ موقف (۱۵) فقہاء کا متفقہ موقف نہیں ہے۔

۱۱۔ تمام نشہ آور اشیاء کو خمر قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر فاضل مؤلف نے احناف کے موقف کی صحیح ترجمانی نہیں کی (۱۶)۔تاہم اگر اسے صحیح قرار دیا جائے تو پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس موقف کو فاضل مؤلف نے ترجیح دی ہے وہ تمام فقہاء کا متفقہ موقف تو نہیں ہے۔

۱۲۔ فاضل مؤلف کو اقرار ہے کہ شرب خمر کی سزا تمام فقہاء کے نزدیک حدود میں شمار ہوتی ہے (۱۷)، لیکن اس کے باوجود بھی وہ اسے تعزیر قرار دینے کے لئے دلائل اکٹھے کرتے نظر آتے ہیں (۱۸)۔

<u>فقہاء کی آراء میں اخذ وردّ:</u>

کتاب ہذا میں فاضل مؤلف نے مختلف مواقع پر ایک فقیہ کی رائے چھوڑ کر دوسرے فقیہ کی رائے لی ہے۔ دور جدید میں فقہ اسلامی پر کام کرنے والوں نے بالعموم یہی طریق کار ، جسے اصطلاحا'' تلفیق'' کہا جاتا ہے ، اپنایا ہے۔اس طریق کار میں کئی قباحتیں ہیں۔مثلاً اس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بسا اوقات ایسا مسلک وجود میں آجاتا ہے جو فقہاء میں کسی کا بھی نہیں ہوتا اور یوں اجماع امت کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔مثلاً کسی کو امام ابوحنیفہ کا یہ قول پسند آیا کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔پھر اسے امام مالک کا یہ قول اچھا لگا کہ نکاح کے لئے گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں۔ اور آخر نتیجہ یہ نکالا کہ نکاح کے لئے نہ ولی کی موجودگی کی ضرورت ہے نہ ہی گواہوں کی موجودگی کی! حالانکہ ایسا نکاح تمام فقہاء کے نزدیک باطل ہے۔کچھ اسی قسم کا معاملہ کتاب ہذا کے فاضل مؤلف کے ساتھ پیش آیا ہے۔انہوں نے فقہاء کی عمومی رائے کے برعکس بعض فقہاء مالکیہ کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ زنا بالجبر حرابہ کے مفہوم میں شامل ہے۔لیکن اس کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کی اس رائے کو قبول کیا ہے کہ حرابہ کی انتہائی شکل کی سزا رجم ہے۔اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ زنا بالجبر کی سزا رجم ہے۔حالانکہ تمام فقہاء کے نزدیک رجم زنا کی سزا ہے نہ کہ حرابہ کی، حتی کہ وہ فقہاء مالکیہ بھی اس کے قائل نہیں جو زنا بالجبر کو حرابہ قرار دیتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کے اخذ ورد کے نتیجے میں قانون اندرونی طور پر تضادات اور تصادم (Analytical Inconsistency) کا شکار ہو جاتا ہے۔ فقہاء کے مختلف مسالک میں جو فروعات اور جزئیات مستنبط کی گئی ہیں ان کی بنیاد چند اہم قواعد پر ہوتی ہے۔ ان قواعد کو ہر مکتب فکر نے جانچ کر اور پرکھ کر اپنے نظام کا یا تو حصہ بنایا ہے یا انہیں رد کیا ہے یا ان میں اپنے نظام کی مناسبت سے تبدیلی کی ہے۔ یوں ہر مسلک میں ایک اندرونی طور پر مستحکم نظام وجود میں آیا ہے۔ مثلاً قرآن وسنت کی نصوص اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کو مدنظر رکھنے کے بعد امام ابوحنیفہ نے یہ قاعدہ بنایا کہ اسلامی ریاست کی عدالتوں کا اختیار سماعت صرف ان تنازعات تک محدود ہے جو اسلامی ریاست کی جغرافیائی حدود کے اندر پیدا ہوئے ہوں۔ گویا انہوں نے عدالتوں کیلئے Territorial Jurisdiction کا اصول مان لیا ہے۔ اس اصول کو مان لینے کے بعد انہوں نے پورے قانونی نظام میں ہر مسئلے پر اس کا اطلاق کیا ہے۔ اس کے برعکس امام شافعی نے اصول یہ طے کیا کہ اسلامی قانون کی ہر خلاف ورزی پر عدالتیں اختیار سماعت رکھتی ہیں چاہے تنازعہ اسلامی ریاست کی جغرافیائی حدود کے اندر اٹھا ہو یا باہر۔ گویا انہوں نے عدالتوں کیلئے Territorial Jurisdiction کا اصول نہیں مانا۔(۱۹) اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ نصوص کے ایک ہی مجموعے سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کیسے مختلف اصول اخذ کرتے ہیں۔ مختصراً یہ اشارہ کافی ہوگا کہ قرآن وسنت کے باہمی تعلق، خبر واحد کی قبولیت کی شرائط، قرآن کی تخصیص، تقیید اور نسخ، خلفائے راشدین کے فیصلوں کی حیثیت، قیاس، استحسان اور مصلحہ کی حجیت اور دائرۂ کار اور دیگر کئی اصولی مباحث میں ان دونوں عظیم مجتہدین نے مختلف موقف اپنایا ہے۔ ان اصولی مباحث میں اختلاف کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حنفی مسلک میں Territorial Jurisdiction کے اصول کو ماننے بغیر چارہ نہیں اور شافعی مسلک میں اس اصول کے ماننے کا امکان ہی نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص Territorial Jurisdiction کے اصول کو ایک جگہ مانے اور دوسری جگہ نہ مانے تو نتیجہ Analytical Inconsistency کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور اسے نہایت ہلکے الفاظ میں بناء الفاسد علی الفاسد ہی کہا جاسکتا ہے۔(۲۰)

مؤلف کے کام میں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک جانب وہ اس بات پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں کہ زنا بالجبر زنا کی ایک قسم نہیں بلکہ حرابہ کی ایک گھناونی شکل ہے، اور دوسری طرف وہ اس سلسلے میں تضاد کا شکار نظر آتے ہیں کہ زنا بالجبر کا الزام ثابت نہ کرسکنے والی عورت کو کیا قذف کی سزا دی جائے گی یا نہیں؟ ظاہر ہے اگر زنا بالجبر زنا کی ایک قسم ہے تو ایسی صورت میں الزام ثابت نہ کرسکنے والی عورت کو قذف کی سزا دی جائے گی، لیکن اگر اسے حرابہ قرار دیا جائے تو حرابہ کے الزام کو ثابت نہ کرسکنے پر قذف کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

پس تقلید کا تعصب اور تنگ نظری سے کوئی تعلق نہیں بلکہ تقلید ہر قانونی نظام کا لازمی تقاضا ہوتا ہے۔ پاکستان

کے قانونی نظام ہی کو دیکھئے۔ صوبوں میں تمام ماتحت عدالتیں اس صوبے کی عدالت عالیہ کے فیصلوں کے پابند ہوتی ہیں اور عدالت ہائے عالیہ عدالت عظمی کے فیصلوں کی پابند ہوتی ہیں۔ نیز ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف جب عدالت عالیہ میں اپیل ہوتی ہے تو اپیل میں امر واقعہ (Question of Fact) پر بھی بحث کی جاسکتی ہے اور امر قانونی (Question of Law) پر بھی۔ لیکن جب عدالت عالیہ کے فیصلے کے خلاف عدالت عظمی میں اپیل کی جاتی ہے تو وہاں صرف امر قانونی (Question of Law) ہی زیر بحث آسکتا ہے۔ گویا جب عدالت عظمی نے ایک قانونی اصول طے کرلیا تو تمام عدالتیں اس اصول کو مانیں گی۔ یہ محض ایک انتظامی امر نہیں بلکہ قانونی نظام کے اندر ہم آہنگی کیلئے یہ ازبس ضروری ہے۔ اگر عدالت ہائے عالیہ کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ عدالت عظمی کے فیصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی اور قانونی اصول طے کریں، یا ماتحت عدالتوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ دو عدالت ہائے عالیہ کے طے کردہ مختلف قانونی اصولوں میں کسی بھی اصول کو مان سکتی ہیں، تو ملک کے اندر قانونی نظام نامی کوئی شے نہیں پائی جائے گی۔ یہی معاملہ مختلف فقہی مسالک کا ہے۔ مسلک دراصل ایک مستقل قانونی نظام ہوتا ہے۔ فقہاء مجتہدین کے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈنا اصطلاحاً ''تخریج'' کہلاتا ہے۔ امام سرخسی کی عظیم الشان کتاب ''المبسوط'' میں اس کی نہایت عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ لہٰذا تقلید کو برا بھلا کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ تقلید جمود اور تعصب کی علامت نہیں بلکہ قانونی نظام کے مضبوط اور پختہ ہونے کی علامت ہے۔ (۲۰)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، دور حاضر میں تلفیق کو بہت زیادہ اہمیت دی جارہی ہے اور اسے روشن خیالی، غیر جانبداری اور معروضیت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مختلف مسالک سے Cut and Paste کے نتیجے میں ایک نئی فقہ وجود میں آرہی ہے، ایسی فقہ جو اصولی تضادات پر مبنی ہوتی ہے۔ تاہم اگر Analytical Inconsistency کو نظر انداز بھی کیا جائے تو اس طریق کار کو زیادہ سے زیادہ ایک نیا مسلک قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہیہ دوبارہ ایجاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

سزائیں اور حقوق

عام طور پر اسلامی سزاؤں کو اس بنیاد پر تقسیم کیا جاتا ہے کہ سزا کا تعین قرآن وسنت نے کیا ہے یا اس کا تعین حکومت اور قضاۃ کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ اسلامی قانون کے متعلق ایک قسم کی over-simplification ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف بھی اسلامی سزاؤں کو اسی زاویے سے دیکھتے نظر آتے ہیں اس لئے باوجود اس کے کہ وہ حدود سزاؤں کو حقوق اللہ سے وابستہ قرار دیتے ہیں (۲۱)، ان کے تجزیے میں اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ حقوق اللہ سے وابستگی کی وجہ سے حدود سزاؤں کی کون سی خصوصیات ہیں جو ان سزاؤں کو حاصل نہیں ہیں جو حقوق اللہ سے وابستہ نہیں ہیں۔ ان کی بحث کا مدار بھی اسی امر پر نظر آتا ہے کہ سزا کی مقدار کا تعین کتاب وسنت نے کیا

ہے یا اسے اولوالامر پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

فقہاء نے اسلامی قانون کا جو ڈھانچہ بنایا ہے اس میں ہر قسم کا قانون ایک خاص قسم کے حق کے ساتھ منسلک ہے۔ ان حقوق میں باہم ترجیح کے لئے فقہاء نے خاص اصول بھی وضع کئے ہیں۔ جب تک حقوق کے اس نظام کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے اسلامی قانون کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں برقرار رہیں گی۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے، اس لئے اس نظام کا خاکہ مختصراً پیش کیا جائے گا۔

فقہاء کے وضع کردہ ڈھانچے میں ہر قانون کا تعلق یا تو اللہ کے حق سے ہوتا ہے، یا بندے کے حق سے، جسے حق العبد کہتے ہیں۔ بعض اوقات قانون کا تعلق ریاست یا معاشرے کے حق سے ہوتا ہے جسے حق السلطان یا حق السلطنة کہتے ہیں۔ دور جدید میں اسلامی قانون پر تحقیق کرنے والوں نے بالعموم حقوق اللہ اور حقوق السلطان کو مترادف سمجھا ہے اور اس وجہ سے بہت ساری غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ حق جس کا ہوتا ہے اسے جرم کی معافی کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ اگر حقوق اللہ اور حقوق السلطان ایک ہی ہوتے تو پھر جن جرائم کو حقوق اللہ سے متعلق سمجھا جاتا ہے (حدود) ان میں ریاست کے پاس معافی کا اختیار ہوتا۔ اسی طرح حق کے مختلف ہونے کی وجہ سے جرم کے ثبوت اور بعض دیگر متعلقہ مسائل (مثلاً شبہ کا اثر) بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات دو قسم کے حقوق ملکر ایک مشترک حق بناتے ہیں۔ ایسی صورت میں غالب حق کی رو سے احکام کا تعین ہوتا ہے۔ (۲۲)

فقہاء نے حد قذف کے ماسوا تمام حدود سزاؤں کو بالعموم حقوق اللہ سے متعلق قرار دیا ہے۔ حد قذف کو فقہائے احناف نے بندے اور خدا کا مشترک حق قرار دیا ہے، تاہم ساتھ ہی یہ بھی قرار دیا ہے کہ اس میں اللہ کا حق غالب ہے۔ گویا نتیجہ یہ ہے کہ حد قذف میں بھی کسی کے پاس معافی کا اختیار نہیں ہے۔ حنفی فقیہ علاؤ الدین کاسانی لکھتے ہیں:

و كل جناية يرجع فسادها الى العامة و منفعة جزائها يعود الى العامة كان الجزاء الواجب بها حق الله عز شأنه على الخلوص تأكيدا للنفع و الدفع، كي لا يسقط باسقاط العبد، و هو معنى نسبة هذه الحقوق الى الله تبارك و تعالى ... و اذا ثبت أن حد القذف حق الله تعالى خالصا أو المغلب فيه حقه فنقول: لا يصح العفو عنه، لأن العفو انما يكون من صاحب الحق، و لا يصح الصلح و الاعتياض، لأن الاعتياض عن حق الغير لا يصح، و لا يجري فيه الارث، لأن الارث انما يجري في المتروك من ملك أو حق للمورث ... و لم يوجد شيء من ذلك فلا يورث، و يجري فيه التداخل ... (۲۳)

[اور ہر وہ جرم جس کے مفاسد عامۃ الناس تک پہنچیں اور اس کی سزا کے فوائد بھی عامۃ الناس کو پہنچیں، اس

کی واجب سزا اللہ عز شانہ کا خالص حق ہے، تاکہ اس کے فوائد کا حصول اور مفاسد کی روک تھام یقینی ہو، تاکہ وہ سزا بندے کے ساقط کرنے سے ساقط نہ ہو۔ اور یہی مفہوم ہے ان حقوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا۔۔۔اور جب یہ ثابت ہوا کہ حد قذف اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، یا اس میں غالب حق اللہ کا ہے تو ہم کہتے ہیں (کہ اس کے نتائج یہ ہیں): کہ اس کا معاف کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ معافی صاحب حق کی طرف سے ہوتی ہے۔اسی طرح اس میں صلح یا عوض قبول کرنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ کسی اور کے حق کا عوض لینا (یا کسی اور کے حق پر صلح کرنا) صحیح نہیں۔اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی ، کیونکہ وراثت تو مورث کی چھوڑی ہوئی ملکیت یا یا حق میں جاری ہوتی ہے۔اور اس قسم کی کوئی چیز یہاں نہیں پائی جاتی، اس لئے اس میں وراثت نہیں ہوتی۔اور اس میں تداخل جاری ہوتی ہے (یعنی ایک ہی نوعیت کے کئی جرائم کے ارتکاب پر ایک ہی سزا ملتی ہے)۔]

قصاص و دیت کے معاملے میں مقدار کا تعین اگر چہ کتاب وسنت نے ہی کیا ہے مگر یہ ایسے حق مشترک سے متعلق ہیں جس میں **حق العبد** غالب ہے۔یہی وجہ ہے کہ قصاص و دیت میں تمام فقہاء کے نزدیک عفو اور صلح جائز ہے۔

تعزیری سزاؤں کو احناف نے خالص **حق العبد** قرار دیا ہے۔کاسانی کہتے ہیں:

و منها [أي من صفات التعزير] أنه يحتمل العفو و الصلح و الابراء ، لأنه حق العبد خالصا ، فتجري فيه هذه الأحكام كما تجري في سائر الحقوق للعباد من القصاص و غيره ، بخلاف الحدود ۔ و منها أنه يورث كالقصاص و غيره ، لما قلنا ۔ و منها أنه لا يتداخل ، لأن حق العبد لا تتحمل التداخل ، بخلاف الحدود ... (۲۴)

[اور تعزیر کی ایک صفت یہ ہے کہ اس میں معافی ، صلح اور ابراء ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ بندے کا خالص حق ہے ۔پس اس میں یہ سارے احکام جاری ہوتے ہیں جیسا کہ یہ بندوں کے باقی حقوق مثلاً قصاص وغیرہ میں جاری ہوتے ہیں ، بخلاف حدود۔اور اس کی ایک صفت یہ ہے کہ قصاص کی طرح اس میں بھی وراثت چلتی ہے،اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (کہ یہ بندے کا حق ہے)۔اسکی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ حدود کے برعکس اس میں تداخل نہیں ہوتی ، کیونکہ بندے کا حق تداخل کا متحمل نہیں ہے۔]

تاہم شافعی فقیہ الماوردی نے قرار دیا تھا کہ تعزیر حق اللہ میں بھی ہو سکتی ہے (۲۵)۔اس موقف کا نتیجہ تضاد اور تصادم کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ متاخرین فقہائے احناف میں جنہوں نے الماوردی کے قول کی تائید کی انکو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ جب تعزیر حق اللہ سے متعلق ہو تو پھر اس میں معافی نہیں دی جا سکتی۔(۲۶)

ایسے جرائم جن کی سزا کی مقدار کا تعین بھی اولوالامر کے ذمے ہے اور جن کا تعلق بھی **حق السلطان** سے ہے ان کو فقہائے احناف "**سیاسۃ**" جرائم کہتے ہیں۔ایسے جرائم میں معیار ثبوت کا تعین بھی حکومت کے پاس

ہے اور معافی کا اختیار بھی وہ رکھتی ہے۔ جرم کی نوعیت کے مطابق سزا کا تعین حکومت کرتی ہے اور اس سلسلے میں ایسی کوئی قید نہیں ہے کہ سزا حد کی مقدار سے زائد نہ ہو۔ چنانچہ بعض حالات میں سزائے موت بھی دی جاسکتی ہے۔ (۲۷)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بے فائدہ اور محض تقسیم برائے تقسیم نہیں ہے۔ اسی کی بنیاد پر اسلامی قانون کا ڈھانچہ صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

حدود سزائیں اور حدود اللہ:

وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس جناب آفتاب حسین نے رجم کے متعلق مشہور مقدمے ''حضور بخش بنام ریاست'' (۲۸) میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "حد" سزا کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے ؛ احادیث میں یہ لفظ ہر قسم کی سزا کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے نہ کہ ''مقررہ'' سزا کے مفہوم میں۔ انہوں نے بھی اس پر حیرت کا اظہار کیا کہ حدود کو مقررہ سزائیں کہنے کے باوجود فقہاء کا اس پر اختلاف ہے کہ کون سی سزائیں حدود ہیں ۔انہوں نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ شرب خمر کی سزا کا تعین قرآن نے نہیں کیا، سنت میں اس کی مختلف سزائیں ذکر ہوئی ہیں، پھر بھی فقہاء نے اسے حدود میں شمار کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف نے بھی تقریباً اسی طرح کی آراء کا اظہار کیا ہے۔ (۲۹) یہاں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے، تاہم چند اشارے پیش کیے جاتے ہیں۔

"حد" کا ایک وسیع مفہوم ہے اور ایک محدود۔ وسیع مفہوم میں اسلامی قانون کے وہ تمام احکام جن کا تعین قرآن یا سنت نے کیا ہے اللہ کی مقرر کردہ "حدود" ہیں۔ مقررہ سزائیں ان حدود اللہ کی ایک قسم ہیں۔ اسی مفہوم میں طلاق کے متعلق قرآنی ضوابط کو "حدود اللہ" کہا گیا ہے(۳۰)۔ فقہاء نے ان حدود اللہ کے تعین میں ہی اپنی عمریں صرف کی ہیں۔ یہ اسلامی قانون کا وہ حصہ ہے جو ناقابل تبدیل ہے۔ ان احکامات میں اجتہاد کے ذریعے تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

حدود اللہ کا تعلق حقوق اللہ کے تصور سے بھی ہے۔ فقہاء نے احکام تکلیفیہ کو مختلف حقوق سے متعلق کیا ہے، جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جاچکا۔ جن امور کو حقوق اللہ سے متعلق قرار دیا گیا ہے ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ یہاں پھر یہ بات یاد کیجئے کہ حقوق اللہ اور حقوق السلطان ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ حقوق العبد سے متعلق بھی وہ امور جو قرآن یا سنت نے متعین کردیے ہیں ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً وراثت میں میت کے بیٹے کو بیٹی سے دوگنا حصہ دیا گیا ہے۔ بیٹی کو بیٹے کے برابر حصہ دینا حدود اللہ سے تجاوز ہوگا۔ وہ امور جو نصوص نے متعین نہیں کیے اور جن کا تعلق حقوق العبد یا حقوق السلطان سے ہے ان کے متعلق تفصیلی قانون سازی ریاست اسلامی شریعت کے قواعد عامہ کی روشنی میں کرے گی۔

جو جرائم حقوق اللہ سے متعلق ہیں ان میں مقدمہ دائر ہونے اور جرم ثابت ہونے کے بعد کسی کو معافی

کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ نیز ایسے جرائم کی سزا شبهة کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ شبهة سے یہاں مراد "شک کا فائدہ" (Benefit of the Doubt) نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ مراد امر قانونی یا امر واقعی کے سمجھنے میں خطا (Mistake of Law or of Fact) ہے جو فعل کے مرتکب کو لاحق ہوتا ہے۔ جرم کے ثبوت کے متعلق اگر جج کے ذہن میں کوئی شک ہے تو اس کا فائدہ تو لازماً ملزم کو دینا چاہیے، اسلامی قانون کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تاہم امر قانونی کے سمجھنے میں خطا کو انگریزی قانون کوئی عذر نہیں سمجھتا، جبکہ اسلامی قانون نے حدود سزاؤں میں، جو کہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں، اسے عذر مانا ہے اور اسکی بنا پر حد کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ جو سزائیں حقوق الله سے متعلق نہیں ہیں ان میں شبهة کا یہ اثر نہیں ہوتا۔ نیز حقوق الله سے متعلق جرائم کے اثبات کیلئے قرآن یا سنت نے خصوصی شرائط رکھی ہیں، مثلاً حد زنا کے اثبات کیلئے چار عینی گواہوں کی شرط، یا حد سرقہ کیلئے نصاب اور حرز کی شرائط۔

فقہاء نے ان جرائم کی سزاؤں کو حدود الله کہا ہے جن پر پیچھے ذکر کردہ خصوصیات منطبق ہوتی ہوں۔ مزید برآں ان جرائم کی سزاؤں کا تعین قرآن یا سنت نے کیا ہے۔ شرب خمر کو قرآن نے جرم قرار دیا، سنت میں اس کی سزا مختلف بیان ہوئی ہے، لیکن اس پر دیگر ساری خصوصیات منطبق ہوتی تھیں، جس کا اقرار زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف کو بھی ہے (۳۱)، اس لئے فقہاء نے متفقہ طور پر اسے حد مانا ہے۔ سزا کی مقدار کے تعین کے لئے انہوں نے اس روایت کو بنیاد بنایا ہے جو ان کے نزدیک زیادہ قوی تھی۔ گویا اس پر تو ان کا اتفاق ہے کہ سزا کا تعین سنت نے ہی کیا ہے جسے سب مستند ماخذ قانون مانتے ہیں، اختلاف صرف اس پر ہے کہ سزا کی مقدار کیا ہے۔ (۳۲)

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی فوجداری قانون صرف حدود سزاؤں تک ہی محدود نہیں ہے۔ جب بعض مخصوص جرائم مخصوص شرائط کے ساتھ اور مخصوص ضابطے کے تحت ثابت ہو جائیں تو یہ مخصوص سزائیں دی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے ایسا صرف استثنائی صورتوں میں ہی ممکن ہوتا ہے۔ عام حالات کے لئے اسلامی قانون نے تعزیر اور سیاسة کے نظریات کے تحت نظام وضع کیا ہے۔ ان میں بالخصوص سیاسة کے تحت آنے والے جرائم کے سلسلے میں ریاست کے پاس بہت سارے اختیارات ہیں۔ ان جرائم کی تعریف، ان کے اثبات کے طریق کار اور ان کیلئے سزاؤں کا تعین سب کچھ ریاست کے اختیار میں ہے۔ البتہ ریاست پر یہ پابندی ہوگی کہ وہ اسلامی قانون کے قواعد عامہ کی روشنی میں قانون سازی کرے اور ان قواعد کی خلاف ورزی کسی صورت نہ کرے۔ فقہاء نے بنیادی طور پر توجہ قانون کے اس حصے پر مرکوز رکھی ہے جس کا تعلق حق الله سے ہے، جبکہ حق السلطنة سے متعلق امور میں انہوں نے قواعد عامہ کی توضیح میں عمریں صرف کیں۔ اس کے بعد کا کام ریاست کا تھا۔ جب تک ریاست اپنا فریضہ سرانجام دیتی رہی اسلامی قانون ریاستی سطح پر نافذ و رائج رہا۔ جب ریاست نے اپنا فریضہ ادا کرنا چھوڑ دیا تو اسلامی

قانون کا وہ حصہ جمود کا شکار ہوا جس کا ارتقاء ریاست کے کام پر منحصر تھا۔ فقہاء کے حصے کے کام میں آج بھی مزید اضافے کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ اسلامی قانون کا وہ حصہ ہے جس پر امت مسلمہ کے بہترین لوگوں نے چودہ سو سال تک اپنی تمام صلاحیتیں صرف کی ہیں۔ اس لئے فقہاء کو مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے ریاست پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ اسلامی قانون کے قواعد عامہ کی روشنی میں قانون سازی کا فریضہ ادا کرے۔

پس ان اعتراضات میں کوئی جان نہیں ہے جو اسلامی قانون کے ڈھانچے سے ناواقف بعض افراد کرتے ہیں اور جن میں سے کچھ اعتراضات، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ، زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مؤلف نے بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ گرلز ہاسٹلز میں کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرے اور گواہ صرف عورتیں ہوں تو حد زنا نافذ نہیں ہوگی۔(۳۳) یا یہ کہ غیر مسلم خاتون یا نابالغ مسلمان لڑکی پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو اس پر حد قذف عائد نہیں ہوتی کیونکہ یہ محصنہ نہیں ہیں۔(۳۴) یا یہ اعتراض کہ اگر چوری کی واردات کے گواہ صرف غیر مسلم ہوں تو حد سرقہ نافذ نہیں ہوتی۔(۳۵) یا یہ کہ کئی افراد چوری کا ارتکاب کریں اور مال مسروق کی مساویانہ تقسیم کے بعد اگر کسی کے حصے میں بھی نصاب کی مقدار نہیں آئی تو حد نافذ نہیں ہوگی ''خواہ مالک کا کتنا بڑا نقصان ہو گیا ہو''۔(۳۶) وغیرہ

تعزیر اور اسلامی قانون کا اصل اصول (Grundnorm)

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف ایک جانب مؤلف یہ اقرار کرتے ہیں کہ: ''بلاشبہ تعزیراتی سزاؤں کی اساس کتاب وسنت میں موجود ہے لیکن تعزیراتی سزاؤں کا تعین کتاب وسنت نے نہیں کیا بلکہ انکی تدوین وتخلیق کی ذمہ داری اسلامی نظام حکومت کے سپرد کی ہے' اس حوالے سے تعزیراتی قوانین الہامی قوانین نہیں ہیں بلکہ انسانی قوانین ہیں۔''(۳۷)

دوسری طرف انہوں نے اس امر پر سخت اعتراض بھی کیا ہے کہ حدود قوانین میں ''تعزیرات'' کو بھی شامل کیا گیا ہے(۳۸)۔ بلکہ وہ تعزیری سزاؤں کو شرعی سزا کہنے کو افتراء علی اللہ تک قرار دیتے ہیں(۳۹)۔

کتاب وسنت کے مقرر کردہ قوانین اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے باہمی تعلق کے متعلق عام طور پر چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اور فاضل مؤلف بھی ان کا شکار ہوئے ہیں۔ ہر قانونی نظام میں صحیح (Valid) اور غیر صحیح (Invalid) قوانین میں فرق کے لئے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ مثلاً پارلیمنٹ کسی موضوع پر قانون سازی کے لئے بنیادی قواعد ایک قانون کے ذریعے طے کر دیتی ہے جو Parent Act کہلاتا ہے۔ اس ایکٹ کے ذریعے کسی دوسرے ادارے کو قانون سازی کے اختیارات تفویض (Delegate) کر دیے جاتے ہیں۔ وہ ادارہ جو قوانین وضع کرتا ہے اگر وہ Parent Act کے وضع کردہ قواعد کی رو سے صحیح ہوں تو انہیں ملک کے قانونی نظام کا حصہ سمجھا جائے گا، باوجود اس کے کہ ان قوانین کو پارلیمنٹ کے بجائے ایک ماتحت ادارے نے وضع کیا ہوتا ہے۔ پھر ہر قانونی نظام میں ایک اساسی قاعدہ (Grundnorm) ہوتا ہے جو خود صحیح ہوتا ہے اور اسی کی بنیاد پر دیگر تمام قوانین کی صحت یا عدم صحت

کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون کا Grundnorm یہ ہے: ان الحکم الا للہ (۴۰)

پس تعزیری سزائیں اگرچہ الہامی نہیں قرار دی جاسکتیں لیکن وہ اسلامی قانون ہی کا حصہ ہوتی ہیں بشرطیکہ وہ مذکورہ بالا Grundnorm کی رو سے صحیح ہوں۔(۴۱) یہی وجہ ہے کہ فقہاء تعزیری سزاؤں کا ذکر **کتاب الحدود** میں ہی کرتے ہیں۔ خود زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف نے لکھا ہے:

''امر واقعہ یہ ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ جرائم کی نوعیت اور کیفیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ پہلے سے ہر قسم کے جرائم کی کی فہرست تیار کر کے ان کی سزائیں مقرر کر دی جائیں۔ انسانی ذہن نت نئے جرائم اختراع کرتا رہتا ہے، اس لئے ضروری تھا کہ ان جرائم کی روک تھام اور ان پر سزا دینے کے لئے اسلامی شریعت کوئی ایسا ضابطہ تیار کرتی جو ہر طرح کے حالات میں اور ہمیشہ کے لئے قانون جرم و سزا کو مؤثر اور فعال بنانے کا ضامن ہوتا۔ اس ضرورت کے تحت شریعت اسلامیہ نے تعزیر مقرر کی ہے۔''(۴۲)

سوال یہ ہے کہ جب مؤلف خود یہ مانتے ہیں کہ قرآن وسنت نے تعزیری سزاؤں کی مقدار متعین کرنے کا اختیار اولوالامر کو دیا ہے تو پھر اس پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان سزاؤں کو حدود قوانین میں جگہ دی گئی ہے؟ غالبا فاضل مؤلف کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ ایسا کر کے تعزیری سزؤں کو بھی قرآن وسنت کی متعین کردہ سزائیں قرار دیا گیا ہے۔ سطور بالا میں اسلامی قوانین میں تعزیری سزاؤں کی حیثیت پر جو بحث کی گئی ہے اس سے اس مغالطے کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فاضل مؤلف کا یہ بیان بھی چند در چند غلط فہمیوں کا مجموعہ ہے کہ:

''حدود آرڈیننس میں جو تعزیری دفعات شامل ہیں، ان کی حیثیت محض فوجداری قوانین کی ہے ، وہ نہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں اور نہ وہ خلاف اسلام ہیں۔ وہ ایک حکومت یا مقننہ کا اپنے جائز اختیارات کا استعمال ہے، بشرطیکہ اسلام کے اصول عدل سے ہم آہنگ ہو۔''(۴۳)

اگر حدود قوانین میں تعزیری دفعات قرآن وسنت سے ''ماخوذ'' نہیں ہیں تو اسلامی قانون کے Grundnorm کے مطابق وہ صحیح نہیں ہیں، اس لئے ایسی قانون سازی کو حکومت یا مقننہ کے ''جائز اختیارات'' کا استعمال نہیں قرار دیا جاسکتا۔ وہ ''خلاف اسلام'' صرف اس صورت میں نہیں ہوں گے جب وہ مذکورہ بالا Grundnorm کے مطابق قرآن وسنت سے ''ماخوذ'' ہوں۔ اس سلسلے میں ''اسلام کے اصول عدل'' کی اصطلاح بھی مبہم ہے۔ یہ اصول عدل کیا ہیں؟ انصاف کیا ہے اور ناانصافی کسے کہتے ہیں؟ کیا اس کا تعین قانون کرے گا یا عقل و فطرت؟ اسی طرح کی ایک بحث مغربی قانون کے ماہرین میں بھی چھڑی ہوئی ہے۔ Positivists کا کہنا ہے کہ ریاست کا وضع کردہ ہر قانون صحیح ہے اگر وہ مقررہ ضابطے کے مطابق وضع کیا گیا ہو۔ قانون کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ وہ ایک ''اچھا'' قانون ہے یا ''برا''۔(۴۴) اس کے برعکس Naturalists کا کہنا ہے کہ اچھائی اور

برائی، انصاف اور ناانصافی اور ''فطری عدل کے اصول'' (Principles of Natural Justice) کا علم ''عقل وفطرت'' کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے۔ ریاست کا وضع کردہ صرف وہی قانون صحیح اور قابل تنفیذ ہے جو عقل وفطرت کے ان اصولوں کی رو سے صحیح ہو۔(۴۵) مایۂ ناز امریکی قانون دان Oliver Holmes، جو امریکی سپریم کورٹ کے جج بھی رہے، نے بجا طور پر ان اصولوں کے ذریعے قانون کی صحت یا عدم صحت کا اندازہ لگانے کے عمل کو "ominous brooding in the sky" قرار دیا۔ اس سلسلے میں اسلامی قانون کا موقف مذکورہ بالا Grundnorm سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ریاست قرآن وسنت کے مطابق ہی قانون بناسکتی ہے، اور جہاں بظاہر قرآن وسنت خاموش ہوں وہاں ریاست اسلامی قانون کے ''قواعد عامہ'' (General Principles) کی روشنی میں قانون سازی کرے گی۔(۴۶)

البتہ حدود قوانین میں شامل تعزیری سزاؤں پر فاضل مؤلف کا یہ اعتراض یقیناً وزنی ہے کہ وہ اسلامی قانون کے بجائے انگریزوں کے وضع کردہ ''مجموعۂ تعزیرات ہند'' (جو پاکستان میں اب ''مجموعۂ تعزیرات پاکستان'' کہلاتا ہے) سے ماخوذ ہیں، بلکہ اکثر تو مجموعۂ تعزیرات کی دفعات کو بعینہ اسی طرح درج کردیا گیا ہے۔(۴۷) اس کی وجہ یہی ہے کہ پاکستان میں قانون ساز اداروں اور شعبۂ قانون سے وابستہ بہت سے افراد کا موقف یہ ہے کہ جو قوانین قرآن وسنت سے ''متصادم'' نہیں ہیں وہ از خود صحیح ہیں۔ اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ اسلامی قانون کے قواعد عامہ نظر انداز کردیے جاتے ہیں بلکہ ''عدم تصادم'' (Non-repugnancy) کو ''مطابقت'' (Conformity) کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح فاضل مؤلف یقیناً قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے سزائے قید کی قباحتیں بڑے مدلل انداز میں بیان کی ہیں۔(۴۸) چنانچہ نہ صرف حدود قوانین بلکہ مجموعۂ تعزیرات سمیت دیگر تمام قوانین میں جہاں بھی سزائے قید بیان ہوئی ہے اسے اسلامی قانون کے قواعد کی روشنی میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ اس سلسلے میں ابھی بہت کام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سپریم کورٹ نے ابھی حال ہی میں ایک کیس کی سماعت کے دوران میں اس امر کا سختی سے نوٹس لیا کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں سزائے قید میں تخفیف کرتی ہیں۔ سپریم کورٹ نے سزائے قید پر سختی سے عمل کو جرائم کی روک تھام کیلئے ضروری قرار دیا۔ ان اصولی باتوں کی توضیح کے بعد چند مسائل میں فاضل مؤلف کی آراء کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

رجم کی سزا:

رجم کی سزا ابتدا ہی سے لوگوں کی تنقید کا نشانہ بنی رہی ہے۔ کچھ بے باک قسم کے لوگوں نے تو سرے سے رجم کی سزا کی شرعی حیثیت کو ہی تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور ان تمام روایات کو ناقابل استناد قرار دیا جن سے رجم کی سزا کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے ان روایات سے یکسر انکار کی روش تو اختیار نہیں کی، تاہم رجم کی سزا کو ایک تعزیری سزا قرار دیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس سلسلے میں ایک نئی راہ اختیار کرلی۔ انہوں نے رجم کو

''تقتیل'' قرار دے کر اسے حرابہ کی سزا قرار دیا۔(۴۹) لیکن ان کا موقف اس سلسلے میں مبہم رہا کہ، حرابہ ہی کے لئے سہی ،رجم کی سزا حد ہے یا تعزیر۔ ان کے مکتب فکر کے ایک نمائندہ جناب جاوید احمد غامدی کی تحریرات سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ اسے تعزیری سزا سمجھتے ہیں۔(۵۰)

جن لوگوں نے رجم کو زنا کی سزا ماننے سے انکار کیا وہ یا تو وہ تھے جنہوں نے سنت کو بطور مستقل ماخذ قانون ماننے سے انکار کیا، یا وہ تھے جنہوں نے سنت کی حجیت سے تو انکار نہیں کیا مگر اسے قرآن کی بہ نسبت کم تر ماخذ قانون قرار دیا۔ ان دونوں گروہوں کے ساتھ مسئلہ یہ ہوا کہ انہوں نے پہلے تو اپنے ذہن میں قرآن کی آیات کا ایک مفہوم متعین کرلیا، پھر وہ روایات جو اس مفہوم سے متصادم نظر آئیں انہیں یا تو قرآن سے متصادم قرار دے کر ماننے سے انکار کر دیا، یا ان کی ایسی تاویلات کیں جو ان کے خیال کے مطابق قرآن کے مفہوم کے مطابق ہو۔ اس سلسلے میں ان دونوں گروہوں نے بالعموم فقہ اسلامی کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف اس سلسلے میں ایک عجیب قسم کے مخمصے (Dilemma) میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر اصحاب کے برعکس وہ فقہاء کے اقوال سے استدلال بھی کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے ''کتاب وسنت اور فقہائے اسلام کی آراء کی روشنی میں'' حدود قوانین کا جائزہ لیا ہے، بلکہ آگے بڑھ کر وہ یہ اصول بھی مقرر کرتے ہیں کہ صرف انہی سزاؤں کو حدود قرار دینا چاہیے جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہو۔ اس اصول کی خلاف ورزی انہوں نے کئی مقامات پر کی ہے جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا جاچکا۔ مولانا امین احسن اصلاحی اور جناب جاوید احمد غامدی کا موقف یہ ہے کہ رجم کی سزا کا وقوع رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم اجمعین کے فعل سے بذریعہ تواتر ثابت ہے۔ اس کے باوجود بھی ان کا کہنا ہے کہ یہ سزا شادی شدہ زانی یا زانیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ حرابہ کے لئے ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مؤلف نے بھی یہ موقف اختیار کیا ہے۔(۵۱) اس موقف پر عائد ہونے والے چند اعتراضات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ اگر رجم کا وقوع تواتر سے ثابت ہے تو اس کا مفہوم کیوں تواتر سے ثابت نہیں ہے جبکہ اس پر بھی ابتدا سے ہی اتفاق چلا آرہا ہے۔ کیا تواتراً صرف یہی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے رجم کروایا تھا اور یہ بات کہ کس جرم کے لئے کروایا تھا تواتر سے نقل نہ ہوسکا؟ گویا رجم کا صرف اسم ہی ، بغیر مسمی کے ، تواتر سے منقول ہوا ہے؟ کیا اسی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کا صلوٰۃ پڑھنا تو تواتر سے منقول ہے مگر صلوٰۃ کا مفہوم تواتر سے نقل نہ ہوسکا؟ یا مثلاً پرویز صاحب ملائکہ پر ایمان کے دعویدار تھے مگر ملائکہ کا وہ مفہوم ماننے پر آمادہ نہیں تھے جو امت نے تواتر سے نقل کیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے اسی بنا پر انہیں باطنیہ میں شمار کیا۔(۵۲) سوال یہ ہے کہ کیا رجم کے معاملے میں انہوں نے وہی رویہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ پرویز صاحب اور باطنیہ کو گمراہ تصور کرتے تھے؟

۲۔ فاضل مؤلف کا کہنا ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ''زنا کے عادی مجرموں کو رجم کیا گیا۔'' (۵۳) لیکن انہوں نے کسی روایت کا حوالہ نہیں دیا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ جن کو رجم کیا گیا وہ زنا کے ''عادی مجرم'' تھے۔ اسی طرح ان کا دعوی ہے کہ ''بے شوہر خاتون کے اعتراف جرم پر اسے رجم کیا گیا۔'' (۵۴) مگر یہاں بھی کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر فاضل مؤلف نے دعوی کیا ہے کہ ''کئی ایک واقعات میں شادی شدہ زانی کو سزا نہیں دی گئی۔'' (۵۵) حیرت ہوتی ہے کہ اتنے بڑے دعوے کے باوجود بھی کسی روایت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

۳۔ حدود سزاؤں پر تنقید کرنے والے حضرات بالعموم یک رخے پن کے شکار نظر آتے ہیں۔ وہ معاملے کے ایک رخ کو دیکھتے ہوئے دوسرے رخ کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فاضل مؤلف اس کے قائل ہیں کہ حدود سزائیں تبھی نافذ کرنی چاہئیں جب سزا اساقط کرنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے، اور ملزم کو کسی بھی قسم کی رعایت نہ دی جا سکے۔ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ حدیث کی رو سے معاف کرنے میں غلطی سزا دینے میں غلطی سے بہتر ہے۔ دوسری طرف رجم جیسی سخت سزا کو حرابہ کی سزا قرار دیتے ہوئے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک زنا کے ثبوت کے لئے چار عینی گواہ، جبکہ حرابہ کے ثبوت کے لئے دو عینی گواہ درکار ہوتے ہیں۔ بلکہ فاضل مؤلف نے تو زنا بالجبر کے مقدمے کو بالکل ایک Summary Trial کی صورت میں پیش کیا ہے۔ (۵۶) وہ یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ زنا بالجبر حرابہ ہے، اس کی سزا رجم ہے، اور اس کے ثبوت کیلئے واقعاتی شہادت (Circumstantial Evidence) بھی کافی ہے! (۵۷) اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کا موقف ہے کہ زنا بالجبر کے مقدمے میں ''مدعیہ'' کی گواہی بھی قبول کی جا سکتی ہے، اور اگر اس کے ساتھ واقعاتی شہادت مل جائے تو رجم کی سزا دی جا سکتی ہے (۵۸)۔ کیا اس طرح انہوں نے رجم کی سزا کا نفاذ انتہائی آسان نہیں کر دیا؟ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں وہ شریعت کا یہ بنیادی اصول، جسے کم از کم فوجداری قانون کی حد تک انگریزی قانون نے بھی تسلیم کیا ہے، بھول جاتے ہیں کہ مدعی خود اپنے دعوے کے حق میں گواہ نہیں بن سکتا۔

۴۔ یک رخے پن ہی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ فاضل مؤلف نے زنا بالجبر کی سزا کے متعلق جو بحث کی ہے اس کے پیچھے یہ مفروضہ (Presumption) کارفرما نظر آتا ہے کہ زنا بالجبر کے مقدمے میں مدعا علیہ نے جرم کا ارتکاب کیا ہے، حالانکہ فاضل مؤلف خود یہ اقرار کرتے ہیں کہ ''یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں ہے کہ آج کے دور میں سیاسی اور دیگر نوعیت کے مخالفین کے خلاف بے بنیاد جنسی الزامات عائد کر کے ان کو سزائیں دلوانے یا ان کا مستقبل تاریک کرنے کے واقعات ملکی اور بین الاقوامی ہر سطح پر موجود ہیں۔'' (۵۹) اس کے باوجود بھی وہ اپنے موقف کے نتائج وعواقب پر غور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح ان کا دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ اس جرم کا ارتکاب لازماً کوئی مرد ہی کرتا ہے اور اس کا نشانہ ہمیشہ کوئی عورت ہی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر بحث کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ اگر جرم کا ارتکاب عورت کرے تو کیا ہوگا؟ کیا ان کا موقف یہ ہے کہ مرد زنا بالجبر کا نشانہ (Victim) نہیں بن سکتا؟

۵۔ اگر زنا بالجبر کا الزام غلط ثابت ہو جائے تو الزام لگانے والے (بلکہ الزام لگانے والی!) کو کیا سزا دی جائے گی؟ اس معاملے میں فاضل مؤلف کا موقف واضح نہیں۔ چنانچہ ایک جانب وہ کہتے ہیں: ''الزام غلط ثابت ہونے پر حد قذف کی سزا موجود ہے۔'' (۶۰) لیکن چند ہی سطر بعد وہ کہتے ہیں: ''اس نوعیت کے واقعات میں کبھی کسی موقع پر عدالت کی طرف سے یہ مطالبہ نہیں کیا گیا کہ جو فرد زنا بالجبر کا الزام عائد کرتا ہے وہ چار گواہ پیش کرے ورنہ قذف کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے۔'' یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زنا بالجبر زنا کی ایک قسم نہیں بلکہ حرابہ کی ایک قسم ہے، جیسا کہ فاضل مؤلف کا موقف ہے، تو زنا بالجبر کا الزام کیا کہلائے گا؟ کیا اسے قذف کہا جا سکے گا؟ کیا حرابے کے الزام کو قذف قرار دیا جا سکتا ہے؟

گواہی کا مسئلہ

فاضل مؤلف نے اس امر کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ حدود قوانین کے مطابق عورتوں اور غیر مسلموں کی گواہی کی بنیاد پر حدود سزائیں نہیں دی جا سکتیں۔ (۶۱) یہاں پھر وہ اپنے مقرر کردہ اصول سے ہٹ گئے ہیں کیونکہ یہ فیصلہ صرف حدود قوانین ہی کا نہیں بلکہ تمام فقہاء کا ہے۔ فاضل مؤلف نے اس موضوع پر براہ راست قرآن و سنت سے استدلال کر کے فقہاء کے متفقہ موقف کو باطل قرار دینے کی جو کوشش کی ہے اس میں وہ کئی سنگین غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک جانب وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کی گواہی کی بنا پر مسلمان کو حد کی سزا نہیں دی جا سکتی، جبکہ دوسری طرف حد زنا کے ثبوت کے لئے گواہی کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے وہ یہ بھی قرار دیتے ہیں: ''غیر مسلموں کی مسلمانوں کے خلاف گواہی قبول نہ کی جائے، کیونکہ دین کے اختلاف کے باعث ایسی گواہی شبہ سے خالی نہیں ہوتی۔'' (۶۲)

اسی طرح فاضل مؤلف نے وصیت کی دستاویز کی گواہی کے معاملے میں فقہاء کے اختلاف سے جو استدلال کیا ہے (۶۳) وہ بھی مندرجہ ذیل امور کی بنا پر بالکل ہی غلط ہے:

اولاً: وصیت کی گواہی کی آیت میں من غیر کم سے غیر مسلم مراد لینا تمام فقہاء کا متفقہ موقف نہیں ہے۔

ثانیاً: جو فقہاء یہاں غیر مسلم مراد لیتے ہیں وہ اسے ایک استثنائی صورت کے طور پر مانتے ہیں، اور آیت کے صریح الفاظ بھی اس پر شاہد ہیں جس کا اقرار خود فاضل مؤلف کو بھی ہے۔ (۶۴)

ثالثاً: جو فقہاء اس معاملے میں غیر مسلموں کی گواہی قبول کرتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کی گواہی پر مسلمان کو حد کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ حدود سزاؤں کا معاملہ بالکل ہی الگ نوعیت کا معاملہ ہے۔ دیگر ابواب فقہ سے قیاساً احکام اخذ کر کے انہیں حدود کے معاملات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔

عورتوں کی گواہی کا مسئلہ بھی فاضل مؤلف کیلئے انتہائی عدم اطمینان کا باعث بنا ہوا ہے۔ (۶۵) یہاں بھی انہوں نے فقہاء

کے متفقہ موقف کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے اس میں وہ کئی سنگین غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں مثلاً:

۱) انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے جن میں مسلمانوں کو عمومی طور پر سچی گواہی دینے کی ہدایت آئی ہے۔ لیکن انہوں نے خصوصا حدود سزاؤں کے سلسلے میں عورتوں کی گواہی قبول کرنے کے حق میں کسی آیت کا حوالہ نہیں دیا۔ روایات میں انہوں نے صرف اس روایت کو پیش کیا ہے جس میں فجر کی نماز کے وقت ایک عورت کے ساتھ زنا کا واقعہ پیش آنے کا ذکر ہوا ہے۔ اس روایت سے بھی استدلال اس لئے غلط ہے کہ اولاً تو یہ روایت کئی طور سے نقل ہوئی ہے اور مختلف طرق میں باہم اختلاف اور اضطراب ہے۔ ثانیاً اس روایت کو صحیح بھی قرار دیا جائے تو اس کے بموجب عورت مدعیہ تھی نہ کہ گواہ۔

۲) اس سے بھی زیادہ حیرت کا باعث فاضل مؤلف کا یہ استدلال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم وبیش ایک تہائی دینی احکام کی روایت ہوئی ہے۔ دیگر لوگوں کے برعکس فاضل مؤلف سے ہمیں توقع تھی کہ وہ روایت اور شہادت کے فرق سے آگاہ ہوں گے۔

۳) آیت دین جس میں صراحتاً حکم آیا ہے کہ دو مردوں کو، یا اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں، کو گواہ بناؤ، فاضل مؤلف نے جو تاویلات اختیار کی ہیں ان کی کمزوری بالکل ہی واضح ہے۔ اولاً جس آیت میں زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی شہادت کا ذکر ہے وہاں بھی لفظ فاستشهدوا ہی آیا ہے۔ کیا وہاں بھی ''گواہ بنانے'' کا حکم ہے نہ کہ ''اتفاقاً گواہ بن جانے'' کا؟ ثانیاً آیت کا تعلق ''اتفاقاً گواہ بن جانے'' سے نہ سہی بلکہ ''گواہ بنانے'' سے ہی سہی، یہ سوال پھر بھی رہتا ہے کہ مردوں ہی کو، یا دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو، گواہ بنانے کا حکم کیوں دیا گیا؟ ثالثاً آیت میں دو عورتوں کی گواہی کا جو ذکر آیا ہے وہاں یہ مراد کیسے لیا جاسکتا ہے کہ ایک عورت ہی گواہی دے گی جبکہ دوسری صرف اسکی مدد کریگی؟ کیا عدالت میں گواہی اسی طور دی جاتی ہے؟ ان دو میں سے ''گواہ'' کون ہوگی اور ''مدد کرنیوالی'' کون؟ اگر کبھی ان دو میں ایک موجود ہو اور دوسری نہ ہو تو عدالت کیا فیصلہ کریگی؟ اگر ''مدد کرنیوالی'' کی عدم موجودگی میں بھی عدالت وہی فیصلہ سنائے جو اسکی موجودگی میں سناتی تو اسکی موجودگی کا حکم کیوں دیا گیا؟ رابعاً اگر انکی یہ تاویل بھی قبول کی جائے تب بھی یہ سوال برقرار رہتا ہے کہ عورتوں کیلئے یہ حکم کیوں ہے مردوں کیلئے کیوں نہیں؟ جس Gender Discrimination کے الزام سے فاضل مؤلف قرآن وسنت کو بچانا چاہتے ہیں وہ پھر بھی قائم رہتا ہے۔

۴) دیگر کئی لوگوں کی طرح فاضل مؤلف کی اصل الجھن یہ ہے کہ وہ اسلامی قانون کی سزاؤں کو حدود تک محدود سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں:

''اس قانون پر یہ اعتراض بجا ہے کہ گھروں میں خواتین تنہا ہوں یا گرلز ہاسٹلز میں کوئی درندہ صفت شخص گھس کر خاتون کی آبروریزی کردے تو اسے ثابت کرنے کیلئے چار بالغ مسلمان مرد چشم دید گواہ چاہئیں جو تزکیۃ الشہود کے

معیار پر پورے اتریں، اور یہ ناممکن ہے۔'' (۶۶)

سوال یہ ہے کہ کیا حد کے سوا اور کوئی سزا نہیں دی جا سکتی؟ کیا سیاسۃ کے نظریے کے تحت ریاست کو ایسے درندہ صفت شخص سے نمٹنے اور اسے قرار واقعی سزا دینے کے لئے کچھ اختیارات نہیں دیے گئے؟ فاضل مؤلف نے حدود سزاؤں میں عورتوں اور غیر مسلموں کی گواہی سے بھی آگے بڑھ کر قرائن اور واقعاتی شہادت قبول کرنے کا جو موقف اختیار کیا ہے وہ حدود کے سارے نظام کو درہم برہم کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ یہاں وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ:

''اگر لوگوں کی اکثریت فاسق ہو تو ان کی ایک دوسرے سے متعلق گواہی قبول کی جائے گی، اور ان میں جو نسبتاً بہتر ہوں ان کی گواہی پر فیصلہ کیا جائے گا، یہی امر درست ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اگرچہ فقہاء کی اکثریت زبانی کلامی اس کے خلاف گفتگو کرتی ہے لیکن سب کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ اگر غالب گمان یہ ہو کہ فاسق سچ بولتا ہے تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے۔'' (۶۷) دوسری طرف وہ یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ: ''حد زنا میں ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں ہوگی جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ راست گو اور پرہیز گار ہے۔'' (۶۸)

اس کے ساتھ ہی فاضل مؤلف کا یہ اعلان بھی ملاحظہ ہو:

''اسلامی تاریخ میں غالباً آج تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ زنا کا جرم مطلوبہ معیار کی گواہی سے ثابت ہوا ہو، تاریخ میں جن لوگوں کو سزائے رجم کا ذکر ہے وہ ان کے اعتراف پر دی گئی ہے۔'' (۶۹)

غیر مسلموں پر حدود سزاؤں کا نفاذ:

فاضل مؤلف نے اس امر پر بھی بہت سخت تنقید کی ہے کہ حدود قوانین کو غیر مسلموں پر بھی لاگو کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے غیر مسلموں پر حدود کے نفاذ کے سلسلے میں فقہاء کے اختلافات کا بھی حوالہ دیا ہے۔ (۷۰) یہاں اس موضوع پر تفصیلی تبصرے کی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم اس اصولی حقیقت کی طرف ہم پھر توجہ دلائیں گے کہ فقہاء کے اقوال میں اپنی پسند کے اقوال اخذ کرنے اور انہیں ملکی قانون کا حصہ بنانے کا طریقہ انتہائی غلط اور نقصان دہ ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں ہم نے واضح کیا ہے، اس طریقے کا سب سے بڑا نقصان قانون کے اندر تضاد اور تصادم (Analytical Inconsistency) کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قانونی نظام میں ارتقاء کا عمل رک جاتا ہے۔ نیز قانون کے عملی نفاذ کی راہ بہت کٹھن ہو جاتی ہے۔

غیر مسلموں پر حدود کے نفاذ کے سلسلے میں فقہاء کے اختلافات کی ایک بنیاد ان کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے سلسلے میں اسلامی ریاست کی علاقائی حدود کا کچھ عمل دخل ہے یا نہیں؟ یا بہ الفاظ دیگر کیا اسلامی قانون Territorial Jurisdiction کا اصول مانتا ہے یا نہیں؟ اس اصول پر اختلاف کے سبب سے کئی فروعی مسائل میں اختلاف واقع ہوا ہے، مثلاً غیر مسلم ملک میں سودی لین دین کا جواز و عدم جواز، غیر مسلم ملک میں

مسلمان ملک کے باشندے سے ہونے والے ظلم کے سلسلے میں مسلمان ملک کی عدالتوں کا اختیار سماعت وغیرہ۔ ان امور میں امام ابوحنیفہ کی رائے وہی ہے جو عملاً اس وقت بین الاقوامی قانون کی رو سے رائج ہے۔ انہوں نے Territorial Jurisdiction کے اصول کو مانتے ہوئے دار الاسلام اور دار الحرب کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریے کی رو سے دارالاسلام میں مستقل رہائش پذیر باشندے چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم اسلامی ریاست کے ملکی قانون کے پابند ہیں، جبکہ دارالاسلام سے باہر رہنے والے لوگ اس قانون کے پابند اس معنی میں نہیں ہیں کہ انہیں قانون کی خلاف ورزی پر اسلامی ریاست کی عدالت سزا نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی عدالت پر ان کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ جب اس اصول کو پاکستان کے قانونی نظام نے مجموعۂ تعزیرات پاکستان سمیت دیگر تمام قوانین میں مانا ہے تو صرف حدود سزاؤں کے سلسلے میں کیوں اسے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے؟ یا تو فقہ شافعی کی رو سے اس اصول کو سرے سے نظر انداز کر کے پورے قانونی نظام کی تشکیل نو کیجیے، یا اگر اس اصول کو دیگر مقامات پر مانا ہے تو حدود میں بھی مانیے۔ خواہ مخواہ معذرت خواہانہ طرز عمل اپنا کر اسلامی قانون کا حلیہ کیوں بگاڑا جائے؟

حدقذف، نیک نیتی اور مبنی بر حقیقت اتہام:

زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مؤلف نے حدقذف کے قانون میں موجود ایک بہت ہی اہم خامی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ کہ اس قانون کی رو سے نیک نیتی کی بنا پر عائد کیا جانے والے الزام قذف شمار نہیں ہوتا۔ اسی طرح مبنی بر حقیقت اتہام بھی قذف میں شامل نہیں۔ فاضل مؤلف کی یہ بات صحیح ہے کہ: ''کوئی گناہ حسن نیت سے معصیت کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا۔'' (۷۱)

تاہم اس بیان میں کچھ مبالغہ آرائی بھی ہے کہ: ''اس دھرتی پر ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے یہ معلوم کیا جائے کہ کسی شخص کی نیت کیا تھی؟'' (۷۲) کیونکہ قتل عمد اور شبہ عمد میں فرق نیت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اور نیت کا علم آلۂ قتل سمیت دیگر آثار و قرائن سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نیت کا فرق عدالت میں ثابت کیا جا سکے تو سزا کی نوعیت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ البتہ ان کا یہ قول یقیناً صحیح ہے کہ: ''آیت میں دو ہی شرائط مذکور ہیں:

1۔ جس عورت پر تہمت لگائی گئی ہو وہ محصنہ ہو۔

2۔ تہمت لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکے۔'' (۷۳)

ان کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ: ''اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو یا یا چاروں قابل اعتماد نہ ہوں تو الزام خواہ نیک نیتی سے لگایا گیا ہو اور مجاز اتھارٹی کے سامنے لگایا گیا ہو حد قذف جاری ہو جائے گی۔'' (۷۴)

اسی طرح ان کا یہ اعتراض بھی بالکل بجا ہے کہ قانون نے مبنی بر حقیقت اتہام کو جو استثناد یا ہے اس کے الفاظ

مبہم ہیں اور اس کی کئی طرح کی تعبیر ممکن ہے، جس کی وجہ سے قذف کے قانون کے متوقع نتائج برآمد نہیں ہوسکے۔ متعلقہ دفعہ کے الفاظ میں انہوں نے یہ ترمیم تجویز کی ہے: ''اگر عدالت کے فیصلے کے مطابق کسی شخص کا جرم زنا ثابت ہو جائے تو مفاد عامہ کے تحت اس کا اظہار یا اشاعت قذف نہیں ہوگا۔'' (۷۵)

حواشی

۱۔ ملک العلماء علاؤ الدین الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (کویتة، المکتبة الرشیدیة)، کتاب الحدود، ج ۵، ص ۴۸۶

۲۔ص vii	۳۔ص 10	۴۔ص 4	۵۔ص 6-5	۶۔ص

۷۔ص 67	۸۔ص 10	۹۔ص 74	۱۰۔ص 77

۱۱۔ص 79 وما بعد	۱۲۔ص 112 وما بعد	۱۳۔ص 127 وما بعد	۱۴۔ص 131

۱۵۔ص 137 وما بعد	۱۶۔ص 141 وما بعد

۱۷۔ص 4	۱۸۔ص 142 وما بعد	۱۹۔تفصیل کیلئے دیکھئے:

Muhammad Mushtaq Ahmad, *Use of Force for the Right of Self-determination*, Unplished Thesis for LLM (Shariah), Faculty of Shariah and Law, International Islamic University, Islamabad, 2006, pp. 168-74.

۲۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

Professor Imran Ahsan Khan Nyazee, *Theories of Islamic Law*, (Islamabad, Islamic Research Institute, 1994), pp. 129-230; *Islamic Jurisprudence,* (Islamabad, Islamic Research Institute, 2000), pp. 327-354.

۲۱۔ص 4

۲۲۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: شمس الائمة ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، کتاب الاصول، المکتبة المدنیة لاہور، ج ۲، ص ۳۳۲؛ ***Islamic Jurisprudence,*** **pp. 89-108**

۲۳۔ بدائع الصنائع، کتاب الحدود، باب صفات الحدود، ج۵، ص۵۲۲

۲۴۔ بدائع الصنائع، کتاب الحدود، باب صفة التعزیر، ج ۵، ص ۵۳۶

[illegible]

۲۷۔ *Theories of Islamic Law*, pp 109-24

۲۸۔ PLD 1983 FSC 1 ۲۹۔ البقرۃ، آیت ۲۲۹

۳۰۔ ص 6-5 اور 45-140

۳۱۔ ص 45-140 ۳۲۔ *Theories of Islamic Law*, pp 109-24

۳۳۔ ص 78 ۳۴۔ ص 10-109 ۳۵۔ ص 131

۳۶۔ ص 132 ۳۷۔ ص 17 ۳۸۔ ص 19-16

۳۹۔ ص 17 و 140 ۴۰۔ سورۃ یوسف، آیت ۴۰

۴۱۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: *Theories of Islamic Law*, pp 37-56

۴۲۔ ص 15 ۴۳۔ ص 18

۴۴۔ Jeremy Bentham, *Theory of Legislation*, p 84

۴۵۔ H. L. A. Hart, *The Concept of Law*, p 182

۴۶۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے: *Theories of Islamic Law*, pp 147-76; 189-230

۴۷۔ ص 19-18 ۴۸۔ ص 63-59

۴۹۔ تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۱ء)، ج ۲، ص ۵۰۵ تا ۵۰۸؛ ج ۵، ص ۳۶۱ تا ۳۷۴

۵۰۔ میزان، (لاہور، دارالاشراق، ۲۰۰۱ء)، ص ۲۸۵ ۵۱۔ ص 47 ومابعد

۵۲۔ تفہیم دین، (لاہور، فاران فاؤنڈیشن) ص ۱۷۲ ۵۳۔ ص 56

۵۴۔ ص 56 ۵۵۔ ص 57

۵۶۔ ص 72 ومابعد ۵۷۔ ص 78

۵۸۔ ص 85 ۵۹۔ ص 82

۶۰۔ ص 83 ۶۱۔ ص 83-79 و 17-111

۶۲۔ ص 86 ۶۳۔ ص 16-112

۶۴۔ ص 114 ۶۵۔ ص 82-79

۶۶۔ ص 78 ۶۷۔ ص 116

۶۸۔ ص 85 ۶۹۔ ص 91

۷۰۔ ص 26-22 ۷۱۔ ص 104

۷۲۔ ص 104 ۷۳۔ ص 105

۷۴۔ ص 107 ۷۵۔ ص 106

جناب عبداللہ اتل
ترجمانی: مولانا سید سلمان حسینی ندوی

اندھا یورپ

عالمی یہودیت اوراس کی خفیہ حکومت نے اپنے خوفناک ہتھیاروں، ماسونیت، بنائی - برت، صہونیت اور سامی مخالف جیسی سازشی تنظیموں اور سونے کے ان ذخائر کے ذریعہ جن پر انیسویں صدی کے اواسط سے ان کا قبضہ ہو گیا تھا، یوروپ اور امریکا میں زبردست کامیابی حاصل کی، اور برطانیہ فرانس امریکہ اور سوویت یونین پر اپنی خفیہ حکومت کا سکہ جاری کردیا۔

انیسویں صدی گذرتے گذرتے یہودیوں نے امریکا اور یوروپ کے اکثر ممالک پر اپنا شکنجہ کس لیا تھا۔

۱- روتھشیلڈ کمپنی اور اپنے کروڑ پتی ساہوکاروں، مائڈسن، باروخ، فرانکفورٹ، لازاردمرگنٹو، سلیگمان، جڑاوس اور کفلر کے ذریعہ یہودیوں نے دنیا کے اکثر سونے کے ذخائر پر قبضہ کیا۔

۲- امریکا اور یوروپ میں اپنے سنٹرل بنکوں کے ذریعہ سکے جاری کئے۔

۳- امریکا اور اکثر یوروپین ممالک میں زبردست انوسٹمنٹ کے ذریعہ ریلوے نظام قائم کیا

۴- دنیا بھر کی الماس، چاندی، پیتل، اور نکل کی کانوں پر قبضہ کیا۔

۵- ساسن کمپنی کے ذریعہ دنیا میں افیم کی تجارت اپنے ہاتھ میں لی۔

۶- مخرب اخلاق فلموں کو تیار کرنے اور انہیں پھیلانے کیلئے فلم انڈسٹری کے عالمی سطح پر مالکانہ اختیارات حاصل کئے

۷- مختلف حکومتوں کے درمیان تجارتی تبادلوں اور منافع اور کمیشن طے کرنے کے عالمی اختیارات کا حصول۔

۸- ازدواجی زندگی، اور گھروں کے ماحول کو تباہ کرنے کیلئے فیشن شوز اور عریانیت کا فروغ

۹- دنیا کے دو اہم ترین بحری راستوں ''سویز کنال'' اور ''پناما کنال'' پر ان کی کمپنیوں کے اکثر شیئرز خرید کر قبضہ۔ ۱۸۷۹ء میں روتھشیلڈ اور اسکے ساتھی سلیگمان نے پناما کمپنی کی شیئرز کی خریداری کیلئے ۱۵۰ ملین ڈالر دیئے تھے۔

۱۰- فرانس، برطانیہ، امریکا اور کناڈا میں اناج اور دیگر غذائی سامان کی فراہمی پر کنٹرول۔

۱۱- امریکا، برطانیہ، فرانس اور اکثر یوروپی ممالک کے بنکوں پر قبضہ، امریکا میں ۱۹۲۶ء میں ان کی دولت کا اندازہ ۵۰۰ ہزار ملین ڈالر سے لگایا گیا تھا، جس میں ۳۰۰ ہزار ملین ڈالر کی ملکیت صرف روتھشیلڈ کی تھی، جب کہ امریکا کے دیگر دولتمندوں کی ثروت کا اندازہ ۲۵ ہزار ملین ڈالر لگایا گیا تھا۔

۱۲- روس، اسپین، فرانس، جرمنی اور اٹلی میں ہونے والی جنگوں اور انقلابات کی انھوں نے بھر پور مالی مدد کی، اور دونوں عالمی جنگوں کے اخراجات میں بڑا حصہ لے کر انھوں نے اپنے نفع اور مفاد کا زیادہ سے زیادہ انتظام کیا۔

۱۳- لیگ آف نیشنز اور پھر اقوام متحدہ کا اپنے مقاصد و مفادات کے لئے قیام کیا۔

۱۴- انھوں نے ہلیشیا، سموئیل اور سامن خاندانوں کے توسط سے برطانیہ میں، مارگانٹو، برکنز، فرانکفورٹر اور باروخ کے خاندانوں کے ذریعہ امریکا میں، اور بلوم مانڈل زلیس، ڈینٹز، زیروسکی خاندانوں کے ذریعہ فرانس میں، وانشٹائن اور ہائی مین کے ذریعہ بلجیکا میں، زامورا، ازاناس اور روزنبرگ کے ذریعہ اسپین میں، اور کاجونوفٹش، لیٹ فینوف، کاراگنز اور روٹسکی کے ذریعہ روس میں، تمام پارٹیوں اور حکومتوں پر اپنا قبضہ قائم رکھا، چاہے وہ کمیونسٹ ہوں یا سوشلسٹ یا ڈیماکریٹک۔

۱۵- انھوں نے صحافت، ذرائع ابلاغ، ریڈیو، سنیما گھر، ٹیلی ویژن، اشاعتی اداروں، پبلک لائبریریز، پریس اور ایڈورٹائزمنٹ کمپنیوں پر مضبوط گرفت قائم کی، اپریل ۱۸۴۶ء میں یعنی آج سے ۱۱۸ سال پہلے یہودیوں کے درمیان مسیحیت کے فروغ کی سوسائٹی نے اپنے ایک ماہانہ نشریہ میں لکھا تھا:

''یوروپ کی ڈیلی سیاسی صحافت بڑی حد تک یہودیوں کے قبضہ میں ہے، اگر کوئی ادیب یا قلمکار سیاسی طاقتوں پر اثر انداز ہونے کیلئے یہودیوں کے راستہ میں آتا ہے تو یوروپ کے اہم ترین اخبارات اس کا سخت تعاقب کرتے ہیں۔''

بتاریخ ۲۶ رجولائی ۱۸۷۹ء لندن کے اخبار (Graphic) نے لکھا تھا:

''یوروپ کے براعظم کی صحافت بڑی حد تک یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔''

تو آیئے اس کا جائزہ لیں کہ کیسے یہودیوں نے ان ممالک اور ان کی حکومتوں پر اس درجہ اثر ڈالا، اور معاشی، سیاسی، عسکری اور ابلاغی ذرائع و وسائل پر وہ کیسے اس درجہ قابض ہوتے چلے گئے، کہ حکومتوں کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آگئی، اور انھوں نے یوروپ کو نہ صرف اندھا غلام بنالیا، بلکہ ذلت کے ساتھ اپنے مقاصد و مفادات کیلئے اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اس حد تک استعمال کیا کہ یوروپ نے انہیں سرزمین فلسطین اپنی عالمی حکومت کے دارالخلافت کے قیام کے لئے سونپ دی۔

۱- **برطانیہ**: یہودیوں کو برطانیہ سے بادشاہ ایڈورڈ اول کے دور ۱۲۹۰ء میں جلاوطن کردیا گیا تھا، لیکن وہ پھر ظالم و جابر حاکم ''کرومویل'' کے دور میں ۱۶۵۶ء میں برطانیہ میں دوبارہ آباد ہونے میں کامیاب ہوگئے، یہ کامیابی انہیں اس لئے ملی تھی کہ انھوں نے کرومویل کی بغاوت میں بھرپور مالی امداد کی تھی، اس مالی امداد میں سب سے بڑا حصہ ''منسہ بن اسرائیل'' اور ''موزش کاروگل'' کا تھا، اس مرحلہ پر برطانیہ کے لئے یہودیوں کی تھیلیاں کھل گئی تھیں، اور انھوں نے اس

مرتبہ پچھلے حالات سے سبق لیتے ہوئے اپنے استحکام کے انتظامات پر پوری توجہ مبذول کی۔

یہودیوں نے اپنے اثرات قائم کرنے کے لئے مال کا بے دریغ استعمال کیا اور روٹشیلڈ کا خاندان برطانیہ کے تمام معاملات میں دخیل ہونے کے منصوبہ بند طریقوں کے لئے زبردست مالی امداد فراہم کرتا رہا، یہ وہی خطرناک صہیونی ہے جس نے جرمنی، فرانس، برطانیہ اور امریکا میں اپنا مستحکم جال پھیلانے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔

کرومویل نے جو رواداری کی پالیسی اختیار کی تھی، اس کا یہودیوں نے معاشی، سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں بھرپور فائدہ اٹھایا، یہاں تک کہ انہیں اس درجہ نفوذ حاصل ہوگیا کہ ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ میں ایک یہودی وزیراعظم بنا، یہ ہی لارڈ بیکونس فیلڈ ہے جس نے ۱۹۷۵ء میں سویز کنال کے مصری شیئرز چرا کر برطانیہ میں ضم کر لئے تھے۔

بیسویں صدی شروع ہوتے ہوتے یہودی برطانیہ میں ایک زبردست طاقت بن چکے تھے، انھوں نے روٹشیلڈ اور ساسن کمپنیوں کے ذریعہ برطانیہ کی اقتصادیات، بنک، تجارتی اور صنعتی کمپنیوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ برطانیہ کے حدود میں سونے، الماس، اور پیتل وغیرہ کی کانوں پر بھی وہ قابض ہوگئے، انگلینڈ کے سنٹرل بنک کے- جو کاغذی نوٹ جاری کرتا ہے- اکثر شیئرز انھوں نے خرید لئے، اسی طرح ایران، عراق اور کویت میں برطانیہ کی پیٹرول کمپنیوں کو بھی خرید لیا۔

میدان سیاست میں انھوں نے اس درجہ نفوذ حاصل کیا، کہ لارڈ ریڈنگ حاکم ہندوستان، اور لارڈ ماونٹ بیٹن یہودی تھے، برطانیہ کے شاہی نظام کے ممبران میں مندرجہ ذیل یہودی لیڈران داخل تھے۔

(۱) فیکانیٹ سموئیل (۲) لارڈ ناتھن (۳) لارڈ سلکن (۴) سر ہنری سلسیر (۵) سر پیرس ہارس (۶) سر سڈنی ابرافرے (۷) سر لونیل کوھن (۸) سر فیلکس کاسل (۹) ہار بلیچ (۱۰) اما نمول سٹویل (۱۱) چڑاؤس۔

ان کے علاوہ ایک لمبی تعداد ان سیاست کاروں اور ممبران کی ہے جو نیم یہودی تھے، ان میں اکثر کو وزارتی مناصب اور عہدے حاصل ہوتے رہے، وزارتی مناصب سے کم دیگر مناصب پر تو بے شمار یہودی فائز ہوئے۔

یہودیوں کے برطانیہ پر اثرات نے برطانوی قوم کو مسخ کر کے رکھ دیا، لندن کی میونسپلٹی کے صرف ایک الیکشن میں ۲۷ ریہودی کامیاب ہوئے، تمام برطانوی پارٹیوں پر بھی یہودیوں نے قبضہ کر رکھا ہے، کنزرویٹو ہو، یا لیبر، کمیونسٹ ہو یا لبرلسٹ ہر پارٹی ان کو راضی کرنے اور ان سے مالی امداد کی بھیک مانگنے میں لگی رہتی ہے، برطانیہ کا کوئی بھی حکمراں یا ذمہ دار شخص یہودی شکنجہ سے باہر نہیں ہے، یہودیوں نے انہیں اپنی مضبوط گرفت میں لے رکھا ہے۔

برطانیہ میں یہودی صحافت

اٹھارہویں صدی کے اواخر سے یہودیوں نے برطانوی صحافت پر بھی اپنے پنجے گاڑ دیئے ۱۷۸۸ء میں جب "ڈیلی ٹائمز" نکلا تو یہودیوں نے اسے خرید لیا۔ وہ دن سے اور آج کا دن، اس اخبار کا چیف اڈیٹر یا خارجی، داخلی

مالی یا سیاسی مسائل کا ایڈیٹر ہمیشہ یہودی رہا، ۱۹۰۸ء میں جب اس کی ملکیت ایک کمپنی کے ہاتھ میں آئی تو اس کے بنیادی ممبران یہودی تھے۔

۱۸۵۵ء میں یہودیوں نے ڈیلی ٹیلی گراف خرید لیا، اور پھر دھیرے دھیرے تمام اہم اخبارات ان کی ملکیت میں آگئے، صحافت اور وسائل ابلاغ کے ذریعہ اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھی ان کی بڑی تعداد پہنچ گئی، انگریز بتدریج یہودیوں کی غلامی میں جکڑ لئے گئے، ونسٹن چرچل جو بڑا باجبروت اور ذہین لیڈر تھا عالمی یہودیت کا ایک ادنیٰ خادم بنا ہوا تھا، اور اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ ''اصلی صہیونی'' ہے چرچل کے نقش قدم پر تمام سیاسی زعماء اور عسکری حکام بھی چلتے رہے، اپنی قوم کے مفادات کے خلاف یہودیوں کی عالمی مخفی حکومت کی خدمت کو انھوں نے اپنا شیوہ بنالیا تھا۔

جہاں تک ماسونی **(Freemason)** تحریک کا تعلق ہے، اس نے شروع ہی سے برطانیہ کو حریت، برادری، اور مساوات کے خوش کن نعروں سے مسحور کر کے اپنا مرکز بنالیا تھا، ماسونی لاج برطانیہ اور اسکاٹ لینڈ میں پہلے قائم ہوئے، پھر دیگر ممالک میں انکا جال پھیلتا چلا گیا، ماسونیت نے اپنی تخریب کاریوں کے ذریعہ انگریز کی شخصیت تحلیل کر کے اور اس کی عیسائیت کو بالکل بے حس، نیم مردہ یا مردہ کرنے کے بعد یہودیت کا ضمیمہ اور ایک ادنیٰ خادم بنادیا۔

۲- **فرانس**: ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کے بعد فرانس میں یہودیوں کا اثر ونفوذ بڑھنا شروع ہوا، انقلاب فرانس کے برپا کرنے اور اس کو مشتعل رکھنے میں یہودیوں کا بڑا کردار رہا ہے۔لندن سے ''بنیامن گولڈ اسمتھ اور اس کا بھائی ابرام اور موسیٰ موکاٹ'' اور اس کا داماد ''موسیٰ مونیٹوری'' اس کو ایندھن فراہم کرتے رہے، اور برلین سے ''دانیال اٹزک'' اور ''ڈیوڈ فرائڈ لانڈر'' اور ''ہرز شر بیر'' انقلاب فرانس کی مدد کرتے رہے، انقلاب فرانس کا نتیجہ کیا نکلا؟

فرانسیسی قوم یہودیوں کے طے کردہ راستہ پر سفر کرنے لگی، معاشرتی اور تمدنی زندگی بے حیائی اور انارکی کے سیلاب میں بہنے لگی، نصف صدی میں یہودیوں نے فرانس کو بدکاری کا ایک اڈہ بنادیا۔

یہودیوں نے فرانس میں بھی اپنی وہی پالیسی اختیار کی جو برطانیہ میں کامیاب ہو چکی تھی، فرانس کی سیاست، معاشیات اور ذرائع ابلاغ پر وہ قابض ہو گئے، دو عالمی جنگوں کے نتیجہ میں فرانس میں یہودیوں کے اثر ونفوذ کا یہ عالم ہوا کہ فرانس یہودیوں کی ایک کالونی بن کر رہ گیا، فرانس کے سیاسی معاشی اور عسکری ڈھانچہ میں کیا زبردست تبدیلی رونما ہوئی اسے آپ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کے نصف اول کی تمام فرانسیسی نمایاں شخصیات یہودی تھیں۔

لیون بلوم	وزیر اعظم
فنسان اور یول	صدر جمہوریہ

ربینہ مائیر	صدر جمہوریہ کئی مرتبہ وزیر ہوئے
جول موخ	صدر جمہوریہ
دانیال مائیر	صدر جمہوریہ
ماریس شومان	صدر جمہوریہ
فروسر	صدر جمہوریہ
موریس بٹنش	صدر جمہوریہ
ہیروی الونڈ	اٹلانٹک کونسل میں فرانس کے دائمی نمائندہ
م بوریز	صدر کمیونسٹ پارٹی
منڈس فرانس	وزیر اعظم
جاک چڑن	کئی مرتبہ وزیر ہوئے
ہنری الور	کئی مرتبہ وزیر ہوئے
گاسٹن بالوسکی	محکمہ ایٹمی طاقت کے ذمہ دار
د- مارگولین	یوروپین کوآپریٹو معاشی فاؤنڈیشن کے جنرل سکریٹری
اے- مانٹو	جنرل ڈی گول کے سکریٹری
جے گرنفال	سفیر- اور حاکم مراکش
سوسٹیل	سفیر، اور حاکم الجزائر
اڈجرفور	وزیر اعظم
جارج لوری	صدر مملکت کے دائمی مشیر اور ایڈیٹر اخبار
اندریہ یٹلم	تأسیسی کونسل کے نائب صدر
ریمون آردن	سوربون یونیورسٹی کے پروفیسر
لوئی جوکسی	ماسکو میں فرانس کے سفیر
دانیال لیوی	ہندوستان، جاپان اور چیکوسلواکیہ میں سفیر فرانس
لیون میس	فرانس کے چیف جسٹس
جولین کین	صدر نیشنل لائبریری

رابرٹ ہرشی	ڈائرکٹر مخابرات (محکمہ جاسوسی)
د-بوم جارٹز	فرانسیسی بنک کے آڈیٹر جنرل
ہنڈ ٹوریز	امریکا میں فرانسیسی صحافت کے نمائندہ
لیوکوورسکی	ڈائرکٹر اٹامک لیبارٹری
جنرل گوینگ	جرمنی کے مقبوضہ علاقہ میں فرانسیسی فوج کے کمانڈر، اور وزیر دفاع
جنرل زنوئی پیسکوف	جاپان میں فرانسیسی افواج کے کمانڈران چیف
اڈمیرل لوئی کان	صدر N.A.T.O. اور ایک مرتبہ فرانس کی مسلح افواج کے جنرل سکریٹری رہے
جنرل بیلو	وزیر دفاع
جنرل بیر برساک	یوروپ کی متحدہ افواج کی ہائی کمان کے کمانڈرانچیف
رابرٹ والکو	نورمبرگ مقدمہ میں فرانس کے نمائندہ
ھ-الفانڈ	ماسکو میں بعض علاقوں کے بارے میں گفت و شنید کیلئے فرانس کے نمائندہ
ر-کاچ	

یہ نام اختصار کے ساتھ دیئے گئے ہیں، اگر ان لوگوں کے ناموں کا استقصاء کیا جائے جو فرانس کے مختلف شعبہ ہائے حیات میں اہم ترین اور حساس مقامات اور مناصب تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے، تو صرف فہرست کے لئے کئی جلد درکار ہوں گی۔

جہاں تک فرانس کے ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے، تو برطانیہ کی طرح یہودی فرانس کے ذرائع ابلاغ پر بھی پوری طرح قابض ہوگئے، انھوں نے نہ صرف یہ کہ فرانسیسی پرچوں اور رسالوں کو خرید لیا، بلکہ اپنے میگزین اور اخبارات جاری کئے، خالصۃ یہودی جرائد کی تعداد ۳۶ تھی، بعض پرچے ''یدلش'' (یوروپ کے یہودیوں کی زبان) میں اور متعدد پرچے فرانسیسی زبان میں جاری کئے، ذرائع ابلاغ کے استعمال کے نتیجہ میں انھوں نے فرانسیسیوں کے ذہن ودماغ کو اس درجہ متاثر کردیا کہ اب وہ ''کوہین'' اور ''حائیم'' کے عینک سے ہی حقائق کو دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں، کمال یہ ہے کہ یہودیوں نے فرانسیسی ہیرو ''بیٹن'' کو خائن اور مجرم قرار دیا، اور ''بلوم''، ''مندلیس''، ''سوسٹیل'' وغیرہ مجرمین اور خائنین کو وزارت عظمی کی کرسی تک پہنچادیا۔

۳- **روس میں** : زار روس کی حکومت سے یہودیوں نے زبردست انتقام لیا، جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ عیسائیت کے استحکام وفروغ کیلئے مستحکم ستون کی حیثیت رکھتی تھی، اور اس نے یہودیت اور صہیونیت پر روک لگا رکھی

تھی، اور جب بھی یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے کسی روسی شہر کی معاشیات متاثر ہوئی تو زار روس کی حکومت نے یہودیوں کے خلاف سخت ترین کارروائیوں سے گریز نہ کیا، یہودیوں کی مخفی حکومت نے روس سے عیسائیت کی جڑیں اکھاڑنے اور روسی قوم سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا، اس پس منظر میں ۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب کو دیکھنا چاہئے، اس انقلاب کی زبانی، عملی، مالی، اور منصوبہ بندی کی کوششوں کے پیچھے مندرجہ ذیل شخصیات نمایاں تھیں۔

۱	ٹروٹسکی	TROTSKY
۲	سوردلو	SVERDLOY
۳	کامنیف	KAMENEV
۴	سوکول نکو	SOKOLNIKOFF
۵	ارٹسکی	URITSKY
۶	لتونوف	LITVINUFF
۷	زینونوف	ZINOVINV
۸	راڈرک	RADERK
۹	کاجانووچ	KAGANOVITCH
۱۰	اسٹالین	STALIN

یہ سب سخت متشدد یہودی تھے، اسٹالین کی بیوی یہودی تھی۔

بالشویک انقلاب کی مالی امداد میں پیش پیش مندرجہ ذیل یہودی تھے۔

۱- ماکس وار برگ Warburg

۲- اسکا بھائی پال Paul یہ دونوں نیویارک کی Kuhnloeb & Co یہودی کمپنی سے متعلق تھے۔

۳- کراسن Krassin

۴- فرسٹنبرگ Furstenberg

انقلاب کے ابتدائی ایام ہی میں یہودی اقتدار پر قابض ہو چکے تھے، انھوں نے انقلاب کے دوران اور اس کے بعد کروڑوں انسانوں کو قتل کر کے روسی قوم سے تاریخ کا بدترین انتقام لیا، انقلاب کے بعد سیاسی انتظامات میں جو چہرے سامنے آئے، ان میں یہودیوں کی نمایندگی حسب ذیل تھی:

۱	لینن	مبہم
۲	اسٹالین	اس کی بیوی یہودی تھی
۳	ٹروٹسکی	یہودی
۴	کامینیف	یہودی
۵	سوکول نکو	یہودی
۶	زینوف	یہودی
۷	ریتوف	روسی

انقلاب کے ذمہ داروں اور جنگی انتظامات کے جنرلوں میں یہودیوں کا تناسب مندرجہ ذیل تھا:

۱	ٹروٹسکی	Trotsky	یہودی
۲	جوف	Joffe	یہودی
۳	بوکیج	Bokij	قفقازی
۴	پوڈووسکی	Podwoiski	روسی
۵	مولوٹوف	Molotov	اس کی بیوی یہودی تھی
۶	نیوسکی	Newski	روسی
۷	انشلخت	Unhschlicht	یہودی
۸	یورٹسکی	Uritski	یہودی
۹	سویرڈلوف	Swerdlov	یہودی
۱۰	انتونوف	Antonov	روسی
۱۱	میکونوسنین	Mechondscnin	روسی
۱۲	گوسیف	Gussev	یہودی
۱۳	ارمجیف	Ermenjev	روسی
۱۴	جرجنسکی	Djerjinski	پولینڈ کا

۱۵	دبنکو	Dybenko	یوکرین کا
۱۶	راسکول نکو	Raskolnikov	روسی

بالشویک انقلاب کے ایک سال بعد روسی حکومت کے محکموں میں کس قدر یہودی اثر و نفوذ قائم ہو چکا تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے لگائیے:

نام ادارہ	مجموعی ملازمین	یہودیوں کی تعداد
انقلاب کے بعد حکومت کے وزراء	۲۲	۱۷
جنگی منتظم	۴۳	۳۴
کمیٹی امور داخلہ	۶۴	۴۵
کمیٹی امور خارجہ	۱۷	۱۳
مالی امور	۳۰	۲۶
عدالتی امور	۱۹	۱۸
محکمہ صحت	۵	۴
امور تعلیم	۵۳	۴۴
محکمہ تعمیرات	۲	۲
روسی ریڈ کراس	۸	۸
صوبائی ڈائرکٹریٹ	۲۳	۲۱
صحافت	۴۲	۴۱
ملازمین کی جائزہ کمیٹی	۷	۵
زار روس اور اس کے خاندان کے قتل عام کی تحقیقات کمیٹی	۱۰	۷
اعلیٰ معاشی کمیٹی	۵۶	۴۵
موسکو میں ملازمین اور فوج کا دفتر	۲۳	۱۹
چوتھی سوویت کانفرنس کی مرکزی کمیٹی	۳۴	۳۳
پانچویں سوویت کانفرنس کی مرکزی کمیٹی	۶۲	۳۴

کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی	۱۳	۹
ٹوٹل	۵۳۲	۴۲۵

ظاہر ہے کہ ان تمام محکموں میں یہودیوں کا اوسط تناسب ۸۰٪ فیصد تھا، اسٹالین کے زمانے میں سویت یونین میں یہودیوں کا اثر ونفوذ زبردست رہا وہی سیاست کی ہائی کمان کے ذمہ دار تھے، خرد شچوف کی حکومت کے دور سے یہودیوں کی گرفت کمزور پڑنا شروع ہوئی، یہودیوں کی مخفی حکومت نے جب یہ اندازہ کرلیا کہ خرد شچوف صہیونی گرفت سے باہر ہے، اور وہ یہودیوں کے فلسطین منتقل ہونے کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہے، تو عالمی یہودی حکومت نے سوویت یونین کے خلاف زبردست مہم شروع کی اور اس پر یہ الزام لگایا، کہ یہ ''سامی دشمن'' حکومت ہے، آج یہ پروپیگنڈہ زور وشور سے چل رہا ہے کہ سوویت یونین میں یہودیوں پر ظلم ہو رہا ہے، (خیال رہے کہ یہ بات ۱۹۶۴ء کی ہے) میں نے ماسکو ریڈیو کی نشریات میں یہودی پروپیگنڈہ کی تردید کے سلسلہ میں یہ بیان پڑھا تھا۔

''سوویت یونین کی آبادی ۲۲۵ ملین ہے، ان میں دو ملین (۲۰ رلاکھ) یہودی سوویت یونین میں شہریت کے تمام حقوق سے مستفید ہو رہے ہیں، جس کی دلیل یہ ہے:

۷۷ رہزار یہودی طلباء یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں۔

۴۲۷ رہزار معاشی ماہرین یہودی ہیں۔

۳۶ رہزار سائنسداں یہودی ہیں۔

تردیدی بیان میں یہ بھی کہا گیا تھا، کہ یہودی **1,5%** فیصد ہیں، ان کی نمائندگی کی فیصد مندرجہ ذیل ہے:

۱۴،۷٪ ڈاکٹر ہیں۔

۱۰،۴٪ وکلاء ہیں۔

۱۴٪ رائٹرز ہیں۔

۶۳٪ فنکار ہیں۔

۲۳٪ موسیقار اور میوزک کے موضوع کے قلم کار ہیں۔

اور یہ کہ ۷۶۴۷ یہودی، حکومت کے اہم مناصب اور عہدوں پر فائز ہیں، یہ عہدے سوویت اعلیٰ کونسل کی ممبر شپ سے لے کر میونسپلٹی کی ذمہ داریوں پر محیط ہیں، ایک تعداد فوجی جنرلوں کی یہودی ہے۔

انکے متعدد روزنامے ہیں، اور سوویت یونین کے اکثر پرچوں اور روزناموں میں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے شریک ہیں۔

حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا سفر ایران

امام مسلمؒ کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز

(قسط۔۳)

درود آبشار کے دلکش خوشگوار اور حسین منظر ماحول نے شیخین (مولانا سمیع الحق اور مولانا شیر علی شاہ) کو دو پہر کے کھانے سے قبل ہی قیلولے پر آمادہ کیا۔ ادھر وہ لیٹے اور ادھر نیند کی وادیوں میں پہنچ چکے تھے۔

گھوڑ سواری:

میں (عرفان الحق) نے اور صاحب حسین نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور آبشار کے پیچھے پہاڑی کی سیر کیلئے نکلے۔ ابھی ہم تھوڑا ہی آگے گئے ہوں گے کہ وہاں اجرت پر گھڑ سواری کے لیے کئی گھوڑ بان نظر آئے۔ ایک گھوڑ بان میری طرف آیا اور پوچھا کہ کیا آپ گھوڑ سواری کرینگے؟ مولانا فاضلی صاحب کا بیٹا محمد یوسف میرے ہمراہ تھا اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہاں یہ مہمان سواری کرینگے۔ مولانا فاضلی کے بیٹے یوسف نے مجھے کہا کہ اس طرح آپ کی گھوڑ سواری بھی ہوگی اور اس پہاڑی اور وادی کی سیر بھی ہو جائیگی۔ میں نے حامی بھر لی یہ تقریباً پونے بارہ بجے دو پہر کا وقت تھا جب میں ایک سفید گھوڑے پر سوار ہوا اور میرا دوسرا ساتھی بھی دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا۔ سوار ہوتے ہوئے میں نے گھوڑ بان سے کہا کہ تھوڑی احتیاط سے چلیں اسلیے کہ میں اس سے قبل گھوڑ سواری سے نا آشنا تھا۔ لیکن گھوڑ بان نے مجھے لگام تھماتے ہوئے بتایا کہ اسے مضبوطی سے پکڑو اگر روکنا ہو تو پیچھے کی طرف کس لینا۔ اگر دائیں چلنا ہو تو دایاں لگام اور بائیں چلنا ہو تو بایاں لگام ایک طرف پیچھے کھینچ لینا۔ اللہ اللہ کر کے ڈرتے ہوئے میں نے اس کی ہدایات کے مطابق گھوڑا روانہ کیا۔ پہاڑی راستہ باریک، دشوار گزار اور کافی خراب تھا۔ راہ میں چھوٹے بڑے پتھر بار بار گھوڑے کی پھسلن کا سبب بن رہے تھے۔ اسلئے میں نے گھوڑ بان کو بلا کر کہا کہ آپ گھوڑے سے آگے آگے چلتے جایئے گھوڑ بان نے کہا کہ ''شما جوان استی چرامی ترسی''یعنی تم جوان ہو کیوں ڈرتے ہو؟ تقریباً آدھا گھنٹے تک ہم اس پہاڑ کے سخت دشوار گزار اور پتھریلے راستے پر خوف و ڈر کے عالم میں چڑتے رہے۔

واذا نظرت الی الجبال رایتها　　فوق السهول عواسلا وقواضباً

یہ پہاڑی سلسلہ بینالود زیادہ تر خشک تھا آخر ہم پہاڑ سے وادی کی طرف اترے جہاں بائیں طرف پیدل

چلنے والوں کے لئے کچا راستہ بنا ہوا تھا۔ میں نے مولانا فاضلی کے بیٹے سے کہا کہ اگر میں پہاڑی پر گھوڑے سے گرتا تو بچنا مشکل تھا اور شہید ایران کہلاتا۔

بہر حال اس طرح ہمیں سنت گھوڑ سواری کا موقع بھی مل گیا اور ایک قسم کی جہادی ٹریننگ و سیر و تفریح بھی ہوئی۔ ساڑھے بارہ بجے ہم واپس اپنی نشست گاہ جو ایک گھنے اور سایہ دار درخت کے نیچے تھی پہنچے۔ شیخین تا حال محو خواب تھے۔ ہماری باتوں اور جوتوں کی آہٹ نے ان کو بیدار کر دیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے نیند کے مزے اڑائے اور ہم گھوڑ سواری سے لطف اندوز ہوئے۔

دوپہر کا لذیذ اور پُر لطف کھانا:

اس دوران ہمارے باورچی نے فاضلی صاحب سے آکر کہا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے دستر خوان بچھائی جائے۔ ہم سب کی بھوک بھی اب کھانے کی متقاضی تھی۔ دستر خوان پر سب سے پہلے ہمارے سامنے ایران کے روایتی سلاد، قسما قسم مشروبات، لسی، دہی اور چاول رکھے گئے ایرانی چاولوں میں کسی قسم کا مرچ مصالحہ استعمال نہیں کیا جاتا گویا ہمارے لیے وہ چاول جوشے ہوئے پھیکے چاول تھے۔ لیکن ایرانی اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اس کے بعد سیخوں میں بھنے ہوئے مرغ اور گوشت طشتریوں میں بچھائی ہوئی ہمارے سامنے لائی گئی۔ ایرانی روایات کے مطابق سیخوں میں سالم بھنے ہوئے ٹماٹر بھی رکھے گئے تھے۔ ہم نے کھانے کی ابتداء گوشت سے کی، گوشت کے بھنے ہوئے بڑے بڑے ٹکڑے کافی نرم، خوش ذائقہ اور مزیدار تھے۔ میں نے فاضلی صاحب سے پوچھا کہ یہ بھنا ہوا گوشت اس تھوڑے سے وقت میں اتنا نرم کیسے ہوا؟ تو انہوں نے نرمی کا راز بتاتے ہوئے کہا کہ اس گوشت کو رات بھر دہی اور لہسن میں رکھ چھوڑا گیا تھا اس لئے یہ اتنا نرم ہوا۔ گوشت کے بعد ہم مرغ سے لطف اندوز ہوئے۔ گویا آج جنگل میں منگل کا سماں تھا اور ہمیں من و سلویٰ مل رہا تھا۔

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست　　جائے کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

اگر چہ ہم منعم تو نہیں درویش تھے تاہم میری ناقص رائے اور تجربہ یہ ہے کہ علماء کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں خوش بخت وخود کفیل ہوتے ہیں۔

کھانوں کی لذت، عمدگی اور میزبان کے خلوص کا اندازہ اس بات سے ہوا کہ ہم سب ساتھیوں نے بلا مبالغہ دو دو تین تین بندوں کے برابر کھایا۔ دستر خوان پر اگلا دور فروٹ اور میوہ جات کا چلا اس کے بعد تیسرا اور آخری دور چائے اور قہوے کا چلا۔ بعد میں ہم سب نے آبشار سے وضوء بنایا آبشار کا پانی صاف ستھرا، ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ کی امامت میں ظہر کی نماز اداء کی گئی۔

شعر و شاعری: اس دوران پکنک منانے والوں کے قافلے آ جا رہے تھے۔ آبشار کے ارد گرد نہایت گہما گہمی کا عالم تھا۔ ہمیں اندازہ ہو گیا کہ سیر و تفریح کے معاملے میں ایرانی نہ صرف زندہ دل بلکہ نہایت سخی اور فیاض بھی ہیں۔

اور و بدء بمن تعول پر عمل پیرا ہیں۔

نماز کے بعد درخت کے سایہ میں شعر و شاعری اور علمی لطائف و غرائب کا دور چلا۔ افسوس اس وقت میرے ساتھ کاغذ قلم دستیاب نہ تھے ورنہ تو کئی صفحات ان اشعار سے بھر جاتے جو پے در پے ایک دوسرے کے جواب میں مولانا سمیع الحق اور مولانا شیر علی شاہ نے کہے۔ ناچیز نے بھی تھوڑی بہت خامہ فرسائی کی۔ قارئین کے ذوق کے لئے اس مجلس کے چند اشعار جو ذہن میں یاد پڑتے ہیں پیش ہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحاً

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حب النبی رسول الله مفترض وحب اصحابه نورٌ ببرهانٖ من کان یعلم ان الله خالقه فلایرمیین ابابکر ببهتانٖ

ولااباحفص ن الفاروق صاحبه ولاالخلیفة عثمان ابن عفانٖ واماعلی فمشهور فضائله والبیت لایستوی الاہار کانٖ

جاء ت بدعوته الاشجار ساجدة تمشی الیه علی ساق بلاقدم

جزاک اللہ چشم ماباز کردی مرا بجان جاناں ہمراز کردی

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب گبر و ترسا وظیفہ خور داری دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

حسن الحضارة مجلوب بطریة وفی البداوة حسن غیر مجلوب این المعیز من لارام ناظرة وغیر ناظرة فی الحسن والطیب

فبائما قدم سعیت الی العلی ادم الهلال لاخمص القدمیه

یا ایها المجد یٰ علیه روحه اذ لیس یاتیه له استجد آء

احمد عفا تک لافجعت بفقدهم فلترک مالم یأ خذ واعطاؤ

بلغ العلیٰ بکماله کشف الدجیٰ بجماله حسنت جمیع خصاله صلوا علیه وآله

روئے خوش بوئے خوش سبوئے خوش

ثلاثة یذهبن عن القلب حزن الماء والخضر و والوجه الحسن

مرا در منزل لیلیٰ چہ امن و عیش چوں ہر دم لکن جرس فریاد مے دارد کہ بر بندید محملها

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم جنید و شبلی و عطار ہم مست

فیا سکنی اکناف طیبة کلکم الی القلب من وجه الحبیب حبیب اذا لم تطب فی طیبة عند مطیب بها طیبة طابت فاین تطیب

اذا لم یجب فی ارض ربنا الدعا ففی ای ارض الدعا یجیب

گزرے تھے اسی راہ سے سرکار دو عالم ابھی تک مہ و انجم کی فضاء جھوم رہی ہے

یہ کوئے محبت ہے مدینہ کی گلی ہے دنیا بھی یہی ہے میری عقبیٰ بھی یہی ہے

اس مجلس کے دوران تاجکستان سے آئے ہوئے مہمان عالم دین مولانا حسن جان لکھتے رہے ارادہ تھا کہ ان سے کچھ لکھ لوں گا لیکن عرفت ربی بفسخ العزائم.

چہل قدمی اور وزارت خارجہ کے نمائندہ کی آمد:

مجلس کے اختتام پر مولانا سمیع الحق نے مولانا شیر علی شاہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ اس پر فضاء مقام پر تھوڑی بہت چہل قدمی بھی ہونی چاہئے ناچیز بھی ان کے ہمراہ ہوا تقریباً ایک فرلانگ تک چہل قدمی کرتے ہوئے وادی کے نشیبی راستے پر درود شہر کی طرف ہم چلتے رہے آگے وادی کے ایک کنارے اونچے مقام پر بچوں کے کھیل کھود کیلئے ایک چھوٹا پارک تعمیر کیا گیا تھا اسی پارک کے بنچوں پر ہم بیٹھ گئے ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ سامنے سے دو آدمی جو تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے ہماری طرف بڑھ رہے تھے مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ شاید یہ لوگ ہمیں جانتے ہیں اور ہمیں ملنے آرہے ہیں اس گفتگو کے دوران وہ ہم تک پہنچ چکے تھے۔انہوں نے ہمارے ساتھ معانقہ ومصافحہ کیا اور پھر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ان میں سے ایک نے اپنا تعارف کرتے ہوئے بتایا کہ مجھے احمدی کہتے ہیں اور میں تہران سے خصوصی طور پر آپ کی خدمت کے لئے وزارت خارجہ کی طرف ۔۔متعین کر کے بھیجا گیا ہوں۔ مجھے کل پہنچنا تھا لیکن جہاز لیٹ ہو گیا اس لئے بروقت نہ پہنچ سکا۔اب تہران سے مشہد ائیر پورٹ پر اتر کر سیدھا آپ کے پاس آرہا ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ہمیں پہچانا کیسے، اور آپ کو کس نے بتایا کہ ہم یہاں بیٹھے ہیں؟ اس لیے کہ ہمارے ساتھیوں کو بھی علم نہیں کہ ہم کس طرف نکل آئے ہیں۔احمدی نے جواباً کہا کہ میں نے گاڑی میں گزرتے ہوئے آپ کو پاکستانی لباس میں دیکھ کر پہچان لیا اس نے بات بڑھاتے ہوئے مولانا سمیع الحق سے کہا کہ میں کوئٹہ کے ایرانی قونصلیٹ میں دو برس تک رہ چکا ہوں۔لیکن آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔اس کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپکے ساتھ اس سے قبل ملاقات ہوئی ہے لیکن یاد نہیں پڑتا کہ کہاں ہوئی ہے۔میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو کبھی کوئٹہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا البتہ یہ ممکن ہے کہ کہیں اسلام آباد یا پشاور میں ملاقات ہوئی ہو۔کچھ دیر بعد ہم ان مہمانوں کو لیکر واپس اپنی نشست گاہ چلے آئے جہاں مولانا فاضلی صاحب ان کے منتظر تھے۔شاید ان کا آپس میں پہلے سے رابطہ ہوا تھا۔ان کے سامنے کھانا رکھا گیا۔مولانا سمیع الحق اور میں اس دوران پہاڑ کے دامن میں گلاس (میوہ) کے باغات کی طرف نکل گئے۔

ایک نوجوان کی اخلاص ومحبت:

یہاں بعض شخصی باغات مقفل تھے۔ایک باغ کے اندر ریسٹورنٹ بھی بنایا گیا تھا جہاں پکنک منانے والے لکڑی کے بڑے بڑے بنچوں اور تختوں پر بیٹھ کر کھا پی رہے تھے۔ہم تھوڑا آگے بڑھے تو دیکھا کہ دو چھوٹے ننھے بچے کھیل رہے تھے میں نے ان سے پیار کرتے ہوئے پوچھا کہ ''از کجا استی' خانہ شما کدام جا است'' تو ان بچوں نے سامنے

ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم یہیں رہتے ہیں۔ کچھ دیر بعد ایک نوجوان آیا اور نہایت محبت واخلاص کیساتھ مصافحہ کرتے ہوئے ہمیں بیٹھنے کا کہا لیکن ہم نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی ہمیں واپس جانا ہے مولانا سمیع الحق نے کچھ دیر اس نوجوان سے پاکستان اور ایران کے بارے میں گفتگو کی۔ اس نوجوان نے بتایا کہ یہ دو بچے میرے ہیں۔ ایک کا نام سجاد اور دوسری کا نام زہرای ہے یہ باغ اور ریسٹورنٹ اس نوجوان نے کرائے پر لے رکھا تھا۔ اسکے بعد ہم نے اس نوجوان سے اجازت لی۔ ادھر ہمارا قافلہ کوچ کرنے کیلئے تیار تھا سامان وغیرہ اکٹھا کیا جارہا تھا اس دوران اس باغ کے مالک نوجوان نے ہماری تواضع کیلئے گلاس (میوہ) کا گرم مشروب (یعنی چائے) پیش کیا ہم سب حاضرین نے اس نوجوان کی اخلاص ومحبت کی بناء پر اس ترش جوس کو پیا۔ مولانا سمیع الحق نے اس نوجوان کے بچوں کیلئے نقدی بھی ہدیہ میں دی۔ 3:30 بجے ہم یہاں سے نکل کر روانہ ہوئے

<u>قدمگاہ:</u> درود سے نکل کر ہماری اگلی منزل نیشاپور تھی تاہم راستہ میں ایک مقام پر روڈ کے اوپر بازار سے گزر ہوا تو میں نے فاضلی صاحب سے پوچھا کہ اس علاقے کا نام کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ قدمگاہ ہے۔ یہ شہر نیشاپور سے سولہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں ہر طرف سرسبز کھیتیاں اور باغات نظر آرہے تھے۔ میں نے ان سے اس کی وجہ تسمیہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ یہاں وہ پتھر ہے جس پر امام رضا کے قدمین کے نشانات ہیں۔ میرے دل میں قدمگاہ کی حقیقت دیکھنے کی جستجو پیدا ہوئی اس لیے شیخین سے عرض کیا کہ کیوں نہ خود جا کر اس پتھر کو دیکھا جائے جس پر قدمین کے نشانات امام رضا کی طرف منسوب ہیں۔ فاضلی صاحب نے کہا کہ وہ جگہ شہر سے ایک سائیڈ پر ہے اور پھر ہمیں آگے جانے میں دیر ہو جائے گی ہم نے کہا کہ چند منٹوں ہی کو تو بات ہے ان شاء اللہ اتنی دیر نہیں ہوگی شیخین نے بھی میری رائے کی تائید کی اور اب ہماری گاڑی شہر کے دائیں طرف اس روڈ پر رواں ہوئی جو قدمگاہ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ تھوڑی دور چل کر ہم رُک گئے سیڑھیوں پر چڑھ کر ہم ایک بارہ دری سے گزرے یہاں دائیں طرف درجنوں قدیم طرز تعمیر کے کمرہ نما بالاخانے نظر آئے بعض کمروں میں لوگ بیٹھے ہوئے کھانا پکانے میں مصروف تھے میں نے فاضلی صاحب سے پوچھا کہ یہ کمرہ نما بالاخانے کس لیے بنائے گئے تو انہوں نے بتایا کہ زائرین یہاں آکر کئی کئی دن تک مقیم رہتے ہیں اس دوران وہ ان ہی جگہوں پر ٹھہرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم چند سیڑھیوں پر مزید اوپر چڑھے ہمارے سامنے ایک بڑا قدیم طرز کا دروازہ تھا اس سے داخل ہوئے تو دور دور تک سبزہ زار اور پھولوں کی کیاریاں نظر آرہی تھیں۔ اسی احاطے کے بیچ میں سامنے وہ گنبد نما گول عمارت نظر آرہی تھی جس میں وہ پتھر محفوظ ہے۔ اس عمارت کے اندر چوطرفہ دروازے تھے۔ سامنے سے داخل ہو کر بائیں طرف ایک کونے میں سنہری جالی اور شیشے کے اندر وہ پتھر نصب تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ امام رضا کے قدمین کے آثار ہیں جو دوران نماز اس مقام پر پتھر میں بن گئے تھے۔ زائرین کو اس پتھر کی زیارت کیلئے سر جھکا کر دیکھنا پڑتا ہے۔ غیر ارادی طور پر ہی میرا ذہن مسجد حرام کے مقام ابرھیم کی طرف گی جہاں پتھر میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اس قسم کے نقش قدم موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ذہن نارسا نے

یہاں اس کی تشبیہ اور کاپی کی اختراع کی ہو یا حقیقت ہو ولعلم عند اللہ۔ عورتیں بائیں طرف کے دروازے سے داخل ہو کر زیارت کر رہی تھی۔ ہم اس عمارت کے پچھلے دروازے سے باہر نکلے تو یہاں کچھ مرد پاکستانی لباس میں ملبوس اپنے فیملی کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ مولانا سمیع الحق اور مولانا شیر علی شاہ صاحب نے ان سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ توانہوں نے بتایا کہ ہم لاہور سے آئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہاں تک کس طرح پہنچے؟ تونہوں نے کہ ہم لاہور سے تفتان (یعنی ایرانی بارڈر) تک اپنی گاڑیوں میں اور آگے یہاں تک اجرت کی گاڑیوں میں آئے۔ انکا کہنا تھا کہ ہم دو ماہ تک ایران میں مقدس مقامات کی زیارت کیلئے مقیم رہیں گے۔

قدمگاہ کے دروازے سے نکلتے ہوئے یہاں دائیں طرف ان تعمیرات کی تاریخ تعمیر وغیرہ کے احوال پر مبنی ایک دوفٹ چوڑا اور چارفٹ لمبا کتبہ دیوار پر نصب نظر آیا۔ لیٹ ہونے کی ڈر سے تفصیلاً پڑھنے کا موقع تو نہ مل سکا تاہم اتنا ضرور پڑھا کہ شاہ عباس نے اسے 1091ھ میں بنوایا تھا۔ اور بعد میں شاہ سلیمان نے اس میں بیش بہا اضافے کیے۔

قدمگاہ کے دروازے پر بعض دوکاندار پانی کے خالی گیلن بیچ رہے تھے میرے پوچھنے پر کہ اس کا یہاں کیا مصرف ہے بتایا گیا کہ زائرین یہاں سے پانی تبرک کے لئے لے جاتے ہیں۔ گویا جس طرح حجاج زمزم کے گیلن بھر کے لاتے ہیں اس طرح یہاں کے زائرین قدمگاہ کا پانی لے کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نوازیں پتہ نہیں دین میں کتنی کتنی بدعات ورسومات، نفسانی خواہشات کی بنیاد پر شامل کی گئی ہیں۔ یہی بدعات آگے چل کر گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔	مسلمان ہے توحید میں گرم جوش	مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش

ان دوکانوں میں قدمین کے نقش بھی بک رہے تھے میں نے بھی ایک نقش خریدا۔ جس پر اوپر یہ عبارت سنہرے حروف سے لکھی گئی ہے "عن الرضا فی نیسابور قال اللہ تعلیٰ کلمة لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی بشروطها وانا من شروطها "ہمیں اس قول کی صحت وعدم صحت سے سروکار نہیں۔ علماء اہل سنت نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نقش کے بیچ میں قدمین کے آثار ہیں۔ اور نیچے یہ عبارت ہے "اثر قدم منسوب الی الامام الرضاء علیہ السلام حال الصلوٰة فی هذا المکان (قدمگاہ نیسابور)" اب ہماری گاڑی سڑکوں کی پیچ وخم کاٹتی ہوئی نیشاپور کی طرف بڑھ رہی ہے۔

نیشاپور: نیشاپور کا نام تو بچپن میں کئی مرتبہ سنا تھا لیکن اس کی عظمت واہمیت کا احساس دورۂ حدیث میں امام مسلمؒ کے حالات اور اس کے مسکن کے اعتبار سے ہوا۔ آج ہمیں اللہ نے اپنی آنکھوں سے امام مسلمؒ کا دیس دیکھنے کا موقع عطا کیا

نیشاپور ایران کا پرانا تاریخی اور مردم خیز شہر ہے۔ کسی زمانے میں اسے ام البلاد کہا جاتا تھا دنیا کے دوسرے اہم تاریخی شہروں کی طرح یہ بھی کئی بار بسا اور کئی بار اجڑا ہے۔ کبھی یہاں چنگیزیوں نے خون کی ہولی کھیلی کبھی ترکمانوں نے قیامت مچائی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جب غزان اس شہر میں داخل ہوا تو اسے جو کوئی ملا اس کو لوٹ کر مار ڈالا۔ اور آخرکار پورے شہر کو آگ لگا کر ختم کردیا۔ 618ھ میں مغولوں نے اسے تاراج کیا۔ یاقوت جو مغولوں کا معاصر

تھا وہ کہتا ہے کہ خراسان پر مغلوں کے حملے کے دوران جو لوگ بھی بچ نکلے انہوں نے نیشاپور میں آ کر سکونت اختیار کی۔ آخر مغلوں نے پھر اس شہر کا بھی محاصرہ کر دیا اس موقعے پر نیشاپور کے ایک رہائشی نے چنگیز خان کے داماد کو نشانہ لے کر تیر سے مار ڈالا۔ داماد کے انتقام کے جوش میں چنگیز مقابلے کے لئے خود یہاں پہنچے اور ہر زندہ آدمی کو مار ڈالا۔ حتی کہ پورے شہر کو مٹی مٹی کر دیا۔ چنگیز کی تباہی کے بعد یہ شہر دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام نہ پا سکا۔

نیشاپور کا شمار خراسان کے چار قدیم بڑے شہروں (مروا، بلخ، ہرات، نیشاپور) میں ہوتا ہے۔ مسلمان اس شہر میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں صلح کے ساتھ داخل ہوئے۔ یہی وہ شہر ہے جو عطار کا مقتل اور امام مسلم کا مسکن اور خیام کا مدفن تھا یہی وہ شہر ہے جو سلجوقی سلطان طغرل بیگ کا پہلا دارالسلطنت تھا اور اسی میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ تعمیر ہوا۔ اگرچہ عام شہرت مدرسہ نظامیہ بغداد کے اولین ہونے کی ہے جیسا کہ ابن خلکان نے بھی دعویٰ کیا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ فخر بغداد کے بجائے نیشاپور کو حاصل ہے بغداد کا نظامیہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ نیشاپور میں متعدد دارالعلوم قائم ہو چکے تھے۔ ایک یہی بیہقیہ، دوسرا سعدیہ، تیسرا النصریہ جس کو سلطان محمود کے بھائی نصر بن سبکتگین نے قائم کیا تھا اور چوتھا نظامیہ، دنیا کی عظیم ترین رصدگاہ بھی سب سے پہلے یہیں تعمیر ہوئی۔ عصر کے وقت سوا پانچ بجے ہم نیشاپور پہنچے۔ نیشاپور سرسبز وشاداب علاقہ پر مشتمل ہے۔ اس کی سڑکیں بھی ایران کی دیگر شہروں کی طرح کھلی اور صاف ستھری تھیں۔ موجودہ نیشاپور کی آبادی فرہنگ جغرافیہ ایران جلد ۹ کے اعتبار سے 24270 افراد پر مشتمل ہے۔

مقبرہ عمر وخیامؒ: 5:20 پر ہم یہاں پہنچے۔ بظاہر باہر سے یہ ایک وسیع سرسبز وشاداب پارک نظر آ رہا تھا تاہم باہر ایک کتبے مقبرہ عمر وخیام لکھا ہوا نظر آیا۔ یہاں داخلے پر ٹکٹ لیا جاتا ہے۔ ہمارے میزبان نے تمام ساتھیوں کیلئے انٹری ٹکٹ لے لیے پارک میں لوگ سیر وتفریح کیلئے آئے ہوئے تھے۔ بعض لوگ سبزہ زار میں چہل قدمی کر رہے تھے اور بعض مختلف بنچوں پر محو گفتگو نظر آئے۔

پارک میں داخل ہونے پر بائیں جانب ایک مجسمہ نصب تھا جس کے متعلق ہمیں بتایا گیا کہ یہ عمر وخیام کا ہے یہاں لان میں ایک بڑا حوض بھی بنا ہوا تھا۔ پارک میں گیٹ سے لے کر مقبرہ عمر وخیام تک پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی سڑک تعمیر کی گئی ہے۔

عمر وخیام کا مقبرہ آٹھ سہ گوشہ ستونوں پر بلند گنبد نما شکل کا ہے ہر ستون پر گلکاری کی گئی ہے۔ بقول ایک ساتھی کے معلوم ہوتا ہے کہ رباعیات خیام کا کوئی دل کش اور حسین نقش مجسم ہو کر مقبرہ خیام کی صورت اختیار کر گیا ہے مقبرہ ایران کے جدید فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ لوح مرقد پر یہ الفاظ کندہ ہیں:

کل شئ ھالک الا وجھہ ، حکیم ابوالفتح بن ابراھیم خیام نیشاپوری، کہ پس از ہفتاد و چند سال زندگانی در سال ۵۱۷ھ برحمت ایزدی پیوست، یہ مقبرہ انجمن آثار ملی نے محمد رضا شاہ پہلوی کے فرمائش پر ۱۳۸۱ھ میں مکمل کیا۔

شاعری، مہندسی، منجمی اور حکمت وہ میادین ہیں جس میں عمر وخیام ید طولیٰ کے مالک تھے۔ خیام سلطان جلال

الدین ملک شاہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے آپ نے دنیا علم وفضل اور شعروسخن میں بڑا نام پیدا کیا۔ تقویم جمالی اورنوروز نامہ اس کے عظیم مہندس ہونے کے بین ثبوت ہیں۔ ریاضی میں یگانہ روزگار تھے۔ جبر ومقابلہ میں اس کے مرتب کردہ مسائل اب بھی برٹش میوزیم میں رکھے ہیں۔

خیام نے نیشا پور میں لوگوں سے کنارہ کش ہوکر گوشہ نشینی اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس پر بداخلاقی، تنگ نظری اورکم آمیزی کی تہمت لگائی گئی۔ خیام کے بارے میں بہت سے بے سروپا قصے مشہور ہیں۔ معلوم نہیں اس کی صحت کس حد تک ہے۔ خیام کے عقیدہ تناسخ سے متعلق ایک حکایت یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک خستہ حالت مدرسے کی تعمیر ومرمت کا کام ہورہا تھا اس کے لئے اینٹیں گدھوں پر لائی جارہی تھیں ایک دن خیام چند شاگردوں کے ساتھ ادھر سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ ایک گدھا خرکار کی پوری کوشش اور مارنے پیٹنے کے باوجود مدرسے کے اندر قدم نہیں رکھتا۔ یہ دیکھ کر خیام اس گدھے کے پاس گیا اور اس کے کان میں کہا:

ای رفتہ وباز آمدہ بلھم گشتہ — نامت زمیان نام ھا گم گشتہ
ناخن ہمہ جمع آمدہ وسم گشتہ — ریشت زقفا بر آمدہ دم گشتہ

اے کہ تو مرگیا اور پھر چوپائے کے روپ میں واپس آ گیا ہے۔ تیرا نام بہت سے ناموں کے اندر گم ہوگیا ہے۔ تیرے ناخن جمع ہوکر سم بن گئے ہیں اور تیری ریش تیری پیٹھ سے نکل کر دم بن گئی ہے۔

یہ سنتے ہی گدھا فوراً مدرسے کے احاطہ میں داخل ہوگیا۔ شاگردوں نے خیام سے پوچھا کہ آپ نے گدھے کے کان میں کیا کہا کہ اس نے فوراً مدرسے میں قدم رکھ دیا۔ خیام نے جواب دیا کہ اس گدھے کی روح اس سے پہلے اس مدرسے کے ایک طالب علم کے وجود میں تھی۔ وہ اس لئے مدرسے میں داخل نہیں ہورہا تھا کہ مبادا اس کے ساتھی اس کو پہچان لیں۔ جب اس کو معلوم ہوگیا کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے اور اب اخفا لاحاصل ہے تو فوراً مدرسے کے اندر داخل ہوگیا۔ یہ ایک دلپذیر اور پرلطف قصہ ہے لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس پر یہ الزام بھی ہے کہ تعلیم وتدریس میں تنگدل اور بخیل ہے۔ لیکن اگر زمانے نے اس کو آزادانہ درس وتدریس کی اجازت نہیں دی تو اس میں اس کا کیا قصور۔

ومن یک ذافم مرّ مریض — یجد مرّ بہ الماء الزلالا

کہتے ہیں کہ ایک فقیہ اس کے پاس علم وحکمت پڑھنے آیا کرتا تھا لیکن جب لوگوں میں جاتا تو اس کے خلاف زہر اگلتا۔ اور اس کی حکمت سے انکار کرتا۔ ایک دن خیام نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اب اگر فقیہ اس کے گھر آئے تو نقارہ بجادیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب نقارہ کی آواز سن کر لوگ اس کے گھر آئے تو خیام نے کہا کہ یہ فقیہ ہرروز چھپ کر میرے گھر آتا ہے اور مجھ سے علم وحکمت کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ لیکن جب عام لوگوں میں جاتا ہے تو مجھے برا بھلا کہتا ہے۔ اور مجھ پر کفر کی تہمت لگاتا ہے۔ اگر جو کچھ وہ میرے بارے میں کہتا ہے اس پر یقین رکھتا ہے تو میرے

گھر کیوں آتا ہے اور مجھ سے کیوں علم وحکمت کا درس لیتا ہے؟ علامہ قزوینی نے اس داستان کو آثار البلاد میں نقل کیا ہے۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خیام اپنے شاگردوں کے ہاتھوں بھی ستم رسیدہ ہے۔اب اور لوگوں کا کیا کہنا؟

خیام کے زمانہ میں نیشاپور میں رافضیوں اور اشعریوں میں شدید قسم کا تعصب اور اختلاف تھا۔اشاعرہ نے ہر قسم کی آزادئ فکر کو کچل کر رکھ دیا تھا۔اس متعصب خشک ظاہری اور سخت گیر ماحول کی جھلک خواجہ نظام الدین کی تصنیف 'سیاست نامہ'' میں ملتی ہے۔عموماً لوگ خیام کو بہترین رباعی گو اور آزاد منش شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔خیام کے رباعیات کے تراجم دنیا کے کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

امام محروق زادہؒ: خیام کے مرقد پر فاتحہ پڑھ کر ہم دائیں طرف سبزہ زار میں تیس چالیس گز آگے چل کر سیڑھیوں سے اوپر چڑھے سامنے ایک گنبد نما نیلے ٹائلوں سے سجائی ہوئی عمارت نظر آرہی تھی یہاں امام محمد محروق ابن محمد ابن زید ابن علی ابن حسین ابن علی کی قبر ہے۔اس عمارت پر بہترین نقاشی کی گئی تھی۔باہر کی طرف محرابوں پر اور دیواروں کے حاشیوں پر قل یٰعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم اور آیت الکرسی بہترین رسم الخط سے لکھی گئی تھی۔ایرانی طرز تعمیر کا یہ بہترین فن پارہ تھا۔قبر پر ہم سب ساتھیوں نے فاتحہ خوانی کی ۔واپس نکل کر ہم مین گیٹ سے نکلے۔گیٹ کے قریب اور گیٹ سے باہر درجنوں دوکانیں آباد تھیں جس میں زیادہ تر فیروزہ زمرد اور یاقوت کے پتھر کی دوکانیں تھیں۔لوگ بڑے شوق سے یہاں سے خریداری کر رہے تھے۔

شیخ فرید الدین عطارؒ اور کمال الملک: اب ہمارا مطمع نظر شیخ عطارؒ کا مرقد تھا۔گاڑیوں میں سوار ہو کر ہم سیدھے روڈ پر روانہ ہوئے روڈ کے دونوں کناروں پر قطار در قطار سرسبز وتناور درخت دلکشی کا سبب بن رہے تھے۔راستے میں سڑک پر مختلف سائن بورڈوں پر یہ جملے نمایاں نظر آرہے تھے اللہ اکبر، الحمدللہ، سبحان اللہ، نماز چہرہ شیطان را سیاہ می گرداند، حجاب برائے زناں مثل صدف در مروارید است۔یہ ہمارے لیے قابل تقلید چیزیں ہیں۔ہمارے ملکوں میں تو سائن بورڈز کا استعمال صرف اپنے مصنوعات کی تشہیر یا فلمی ایکٹروں اور کھلاڑیوں کی تصاویر یا اپنے اپنے حق میں نعرہ بازیوں کے لئے ہوتا ہے۔ایک دوسری نمایاں خصوصیت ایران کی یہ معلوم ہوئی کہ یہاں سب کچھ فارسی زبان میں لکھا نظر آتا ہے۔گویا ایرانی قوم مغرب سے اس سلسلے میں قطعاً مرعوب نہیں کہ ہر جگہ انگریزی کو ٹھونسا جائے۔چند ہی لمحوں میں ہم شیخ عطار سے منسوب پارک کے دروازے پر پہنچ گئے۔یہاں بھی داخلے پر ٹکٹ لینا پڑتا ہے مجھے ایسا لگا کہ جہاں جہاں اہل سنت کے اکابر محوخواب ہیں وہاں پر انٹری ٹکٹ لازمی قرار دی گئی ہے اور جہاں اہل تشیع کے اکابر ہیں وہاں پر کوئی انٹری ٹکٹ نہیں۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایران میں قدمگاہ کے داخلے، امام رضاء کی زیارت گاہ میں داخلے، اور اسی طرح امام محروق زادہ کے مزار پر داخلے کے وقت ہم سے کسی قسم کے ٹکٹ کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔اور اب عطارؒ کا مزار خیامؒ کے بعد دوسرا مقام تھا جہاں ہم سے داخلے پر ٹکٹ لیا گیا۔ممکن ہے کہ اہل ایران

نے تاریخی ورثہ کے اعتبار سے ان مقامات پر انٹری ٹکٹ لگایا ہو۔

پارک میں ہم پونے پانچ بجے داخل ہوئے سامنے قدیم مشرقی طرز تعمیر کا گنبد نما سا قبہ نظر آرہا تھا۔ ہم اس کی طرف بڑھ رہے تھے شیخ عطار کے روضے سے پہلے بائیں جانب ایک چھوٹا سے جدید طرز تعمیر کا حامل انتہائی خوبصورت مقبرہ نظر آیا قریب جا کر دیکھا تو یہ ایران کے مشہور نقاش کمال الملک محمد غفاری کا تھا۔ قبر کے سرہانے کمال الملک کا مجسمہ بھی نسب تھا۔ قبر کے قریب یہ الفاظ لکھے تھے ''بفرمان شہنشاہ ایران اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی ساختمان آرام گاہ استاد ہنر مند عالی قدر شادروان محمد غفاری کمال الملک فرزند شادروان مرزا غفاری از طرف انجمن آثار ملی''

اب ہم ایک عظیم بزرگ ہستی کے مرقد کی طرف ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک عجیب رعب اور جلال کا عالم تھا۔ سادگی اور وقار نمایاں تھی۔ مزار کے احاطے میں داخل ہو کر ایک قالین پر ہم بیٹھ گئے۔ اس عظیم ہستی کے کچھ احوال پیش ہیں۔

لقب فرید الدین کنیت ابو حامد اور پورا نام محمد بن ابی بکر ابراھیم بن اسحٰق عطار نیشاپوری ۵۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد عطر فروش تھے والد کی طرح اس کا پیشہ بھی یہی تھا۔ بچپن سے لیکر جوانی تک حصول علم میں مصروف رہے۔ اسکے ساتھ مطب میں بیٹھ کر طبابت بھی کرتے تھے۔ آسودہ حال تھے اسلئے دیگر شعراء کی طرح شاعری کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور نہ ہونا پڑا۔ عطار کو بچپن سے درویشوں کیساتھ خاص لگاؤ اور عقیدت رہا۔ تاہم آپ کے بارے میں یہ حکایت زبان زد خاص و عام ہے جسے مولانا شیر علی شاہ مدظلہ نے ان کے مرقد پر بھی سنایا کہ مال و دولت کو ترک کر کے سیر و سلوک کی وادی میں قدم رکھنے سے قبل ایک بار عطار اپنی دوکان پر بیٹھا تھا کہ ایک فقیر نے جس کا لباس نہایت بوسیدہ تھا اسکے پاس آ کر سوال کیا۔ عطار نے اسے کچھ نہیں دیا۔ فقیر نے اس سے پوچھا کہ تو عزرائیل کو اپنی جان کیسے دیگا۔ عطار نے تیکھے انداز میں اس فقیر سے پوچھا کہ تو اپنی جان کیسے دیگا؟ فقیر نے یہ سن کر اپنے کشکول کو سر کے نیچے رکھا، پاؤں قبلے کی طرف پھیلائے اور آنکھیں بند کر کے کہا یون اور وہی پر جان دے دی۔ اس واقعہ نے عطار کے اندر انقلاب پیدا کر دیا چنانچہ وہ اپنے تمام مال و متاع کو غریبوں میں تقسیم کر کے خانقاہ رکن الدین اکاف میں گوشہ نشین ہو گیا

یہ تو آغاز ہوا، انجام کے بارے میں بھی ایک روایت میں کہا جاتا ہے کہ ایک منگول نے نیشاپور میں قتل عام کے دوران ضعیف العمر عطار کو قیدی بنا لیا اور اسے لے کر اپنے آگے آگے دوڑاتا ہوا چلا۔ راستے میں شیخ عطار کے کسی مرید نے اسے اس حال میں دیکھ کر پہچان لیا۔ اس نے منگول سے درخواست کی کہ شیخ کو کچھ چاندی لے کر رہا کر دے لیکن شیخ نے منگول کو مخاطب کر کے کہا کہ میری اتنی قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ منگول نے مرید کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور شیخ کو اسی حال میں لئے آگے روانہ ہوا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ شیخ کے ایک دوست نے اسے پہچان لیا اور منگول سے درخواست کی کہ کچھ زر وطلا لے کر شیخ کو آزاد کر دے شیخ نے پھر منگول کو مخاطب کر کے کہا کہ میری قیمت یہ نہیں ہے منگول نے یہ سوچ کر کہ شیخ کی رہائی کے بدلے اس سے زیادہ قیمت مل سکتی ہے اس کی پیشکش بھی ٹھکرا دی اور آگے بڑھ گیا۔

راستے میں ایک دیہاتی ملا جو اپنے گدھے کو لئے جا رہا تھا اس نے شیخ کو پہچان کر منگول سے درخواست کی کہ وہ اسے رہا کردے منگول نے دریافت کیا کہ وہ اسکے بدلے میں کیا دے گا؟ دیہاتی نے جواب دیا: ایک تو بڑھ گھاس۔ شیخ نے یہ سن کر منگول کی طرف دیکھا اور کہا ٹھیک ہے یہی میری قیمت ہے۔ منگول یہ سن کر سخت برہم ہوا اور تلوار نکال کر شیخ کا سر قلم کردیا۔ شیخ نے جھک کر اپنا کٹا ہوا سر زمین پر سے اٹھالیا اور دوبارہ اپنی گردن پر رکھ لیا اور بے اختیار اس کے لبوں پر ایک مختصر نظم ''بے سرنامہ'' کے اشعار جاری ہوگئے۔ اسی حالت میں وہ حیرت زدہ منگول کے آگے آگے چلتا بھی رہا۔ نظم کے ختم ہوتے ہی وہ گرا اور اس کی روح پرواز کرگئی۔

عطار نے اپنی عمر کا ایک حصہ دیگر سالکین طریقت کی طرح سفر میں گزارا۔ مکہ معظمہ سے لے کر ماوراء النہر تک بیشمار مشائخ کی زیارتیں کیں انہی اسفار اور ملاقاتوں میں مجد الدین بغدادی تک پہنچے جن سے طریقت کا سلسلہ باندھا۔

تذکرۃ الاولیاء، منطق الطیر، اسرار نامہ، الٰھی نامہ، مصیبت نامہ اور اشتر نامہ آپ کی یادگار تالیفات ہیں۔

مولانا روم جیسی ہستی کامل بھی عطار کو شاگردانہ خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔

عطار روئے بود و سنائی دو چشم او — مادر پئے سنائی و عطار آمدیم

من آں مولای روم ام کہ از نطقم بشکر ریزد — ولیکن در سخن گفتن غلام شیخ عطارم

انچہ گفتم از حقیقت اے عزیز — اں شنیدستم ھم ز عطار نیز

مولانا سمیع الحق صاحب نے عطار کے مزار پر رومی کا یہ شعر خوش الحانی سے پڑھا۔

ھفت شہر عشق را عطار گشت — ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

عطار کا مرقد زمین سے ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ جس پر کالے رنگ کی سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔ عطار کے قبر کے سنگ مرمر پر یہ الفاظ سات سطروں میں لکھے ہوئے تھے:

آرام گاہ عارف ربانی سخن سرای نامی، فرید الدین عطار، ہر کہ اور فت از میاں اینک فنا چون فنا گشت از فنا اینک

سال ولادت پانصد و چہل قمری تاریخ وفات شنبہ ۵ اصفر شش صد و ہجدہ قمری

وما احد یخلد فی البرایا — بل الدنیا تؤول الی زوال

قبر کے سرہانے کالے پتھر کی چھ فٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی ایک تختی لگی ہے جس پر شاید عطار کے مدح کے اشعار کندہ ہیں۔ باوجود کوشش کے پڑھا نہ جاسکا۔ یہاں ہم نے فاتحہ پڑھی اور تصوف و روحانیت کے ایک عظیم امام کے مرقد کے سرہانے جانب مغرب دروازے میں کھڑے ہو کر مولانا سمیع الحق صاحب نے عصر کی نماز 6 بجے پڑھائی۔ قبر کے اس احاطے میں باجماعت نماز میں عجیب روحانی لطف محسوس کیا۔ نماز کے بعد قبر کے آس پاس بیٹھ کر مولانا سمیع الحق اور مولانا شیر علی شاہ کے علم وعرفان شعر و شاعری، ادب اور تصوف کے علم افروز باتوں سے ہم سب محظوظ ہوتے رہے۔

(جاری ہے)

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

جلسہ دستار بندی وتقریب ختم بخاری شریف: مورخہ ۱۷/اگست ۲۰۰۶ء کو طے شدہ پروگرام کے مطابق دارالعلوم حقانیہ میں تقریب ختم بخاری شریف اور جلسہ دستار بندی کا انعقاد ہوا۔ حسب روایت اس سال بھی اس مبارک تقریب میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ اس موقع پر ایک ہزار (۱۰۰۰) سے زائد فضلاء متخصصین اور حفاظ کرام کی دستار بندی ہوئی۔ نماز عصر کے بعد باقاعدہ تقریب کا آغاز ہوا سب سے پہلے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث پر سیر حاصل خطاب فرماتے ہوئے فضلاء کو اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار رہنے کی تلقین کی۔ دارالعلوم کے نائب مہتمم استاذ حدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب مدظلہ نے حاضرین اور معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ اس مبارک تقریب میں ملک کی اہم شخصیات، ممبران قومی وصوبائی اسمبلی اور سینٹرز حضرات اور دیگر کئی اہم علمی اور سیاسی شخصیات نے شرکت کی۔ علاوہ ازیں ملک کے دیگر شہروں سے بھی جید علماء تشریف لائے تھے۔ آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب کے دعائیہ کلمات پر اس تقریب کا اختتام ہوا۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم مولانا حافظ انوار الحق صاحب مدظلہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ حسان الحق نے بھی حفظ قرآن کرنے کے بعد اکابرین کے ہاتھوں دستار بندی کی سعادت حاصل کرلی۔

دارالعلوم کے سالانہ امتحانات: مورخہ ۱۹/اگست بروز ہفتہ ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم کے تمام درجات کے سالانہ امتحانات شروع ہوئے۔ بحمد للہ امتحانات بخیر وخوبی اساتذہ کرام کی نگرانی میں اختتام پذیر ہوئے پھر دستار بندی و تقریب ختم بخاری شریف کے بعد بروز ہفتہ وفاق المدارس کے زیر انتظام امتحانات ہوئے اور ۶ دن جاری رہنے کے بعد ختم ہوئے۔

دارالعلوم میں تعطیلات کے دوران دورہ تفسیر کا آغاز ۳۰/اگست بروز بدھ دارالعلوم کی جامع مسجد میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ دارالعلوم کے زیر انتظام حسب سابق دورہ تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔ اس میں تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ طلباء اور علماء کو داخلہ دیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ ایف ایم ریڈیو پر بھی علاقے بھر کے عوام کو یہ سہولت فراہم کی گئی ہے تاکہ وہ گھروں میں بیٹھ کر ترجمہ وتفسیر سننے کی سعادت حاصل کریں۔ دورہ تفسیر میں ترجیح فارغ التحصیل علماء کو دی گی۔ ملک بھر سے اس سلسلے میں کثیر تعداد میں فضلاء اور جید علماء دارالعلوم تشریف لائے ہیں۔

بین الاقوامی میڈیا کی دارالعلوم آمد: موجودہ ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں مختلف چینلوں اور بین الاقوامی الیکٹرانک میڈیا سے تعلق رکھنے والے غیر ملکی نمائندے ودانشور گزشتہ دنوں دارالعلوم تشریف لائے۔ انہوں نے دارالعلوم کا مختلف شعبہ جات کا معائنہ کیا اور یہاں پر درس وتدریس اور تعلیمی ماحول کا جائزہ لیا اور یہاں کے پُرامن تعلیمی ماحول سے بڑے متاثر ہوئے' بعد میں ان صحافیوں نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے مختلف ملکی اور عالمی حالات وموضوعات پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا اور انٹرویو ریکارڈ کرایا۔ ان میں پولینڈ کی وارسا یونیورسٹی کے ڈائریکٹر پروفیسر Edward Halizak' وارسا وائس کے پریذیڈنٹ Andrzej Jonas۔ اور ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر Krzysztof Strachota۔ جرمن کونسل فارن ریلیشن کے Hans Bastian Hauck اور Kathrin Brockmann۔ پولیٹیکیا ادارہ کی ایڈیٹر Marian Turski اور ہالینڈ کے اخبار ٹیلیگراف کے Jack Leenaars کے ہمراہ ڈان اخبار کے صحافی اشفاق یوسفزئی بھی شامل تھے۔

اصول تفسیر پر ایک منفرد حیثیت کی حامل کتاب

البیان الفرید فی علوم القرآن المجید

منظر عام پر آگئی ہے

یہ کتاب دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ کے شیخ التفسیر، استاذ حدیث اور ماہنامہ النصیحہ کے مدیر حضرت مولانا غلام محمد صادق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بیس (20) سالہ درس قرآن کا ثمرہ ہے جو کہ انتہائی عرق ریزی اور انتھک کاوشوں کے بعد لکھی گئی۔ اور دارالعلوم ہی کے شعبہ تصنیف وتالیف سے چھاپ کر کے پیش کیا۔

☆ کتاب کی زبان قدیم عربی یعنی اللغۃ الفصحٰی ہے اکابر کی تصنیفات کا امالی ہے۔

☆ جمع قرآن پر مستشرقین کی جانب سے سوالات کے جوابات ہیں اصول تفسیر کے اکثر موضوعات کا ذکر۔

☆ مشائخ علماء اور سکالرز کی رشحات قلم سے مزین ☆ دلنشین ٹائیٹل بہترین کاغذ اور اعلیٰ طباعت ہے

پیش کردہ:۔ شعبہ تصنیف وتالیف دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ فون نمبر 0916511982

ادارہ

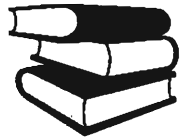

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: تذکرہ وسوانح حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت: 513 صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرۃؓ خالق آباد نوشہرہ

نسل نو کی آگہی واصلاح کے لئے مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے ایک عرصہ سے اکابرین دیوبند کی سیرت و سوانح پر کام کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ بقول بقیۃ السلف حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی مدظلہ فاضل دیوبند: ''حقانی صاحب تذکار الصالحین کے مبارک مرض کے بیمار ہیں۔'' زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کا نیا اور تازہ نقش ہے۔ عظیم باپ کے عظیم فرزند حضرت مولانا اسعد مدنی جو امسال ۷ر محرم ۱۴۲۷ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے' ہمہ گیر' ہمہ جہت اور ہمہ پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ درس وتدریس' تحریر وتقریر' تدبیر وسیاست' سلوک وارشاد' دعوت وتبلیغ' اصلاح وفلاح معاشرہ' خدمت خلق' بقاء وقیام مدارس ومکاتب' ملت کی شیرازہ بندی غرض ہر میدان میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ یہ کتاب اگرچہ کسی ایک منصف کی تصنیف تو نہیں جس میں تسلسل اور ربط ہوتا ہے تاہم حقانی صاحب کی حسنِ ترتیب نے اربابِ قلم کے منتشر مضامین کے موتیوں کو ایک لڑی میں پیرو کر تسلسل اور ربط پیدا کر دیا۔

کتاب کی ابتداء شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوب بنام فرزند اور اختتام انکے معمولات پر ہوئی ہے۔ چودہ ابواب ۹۲ منثور اور ۳۸ منظوم مقالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ایک باب مستقل طور پر مولانا اسعد مدنیؒ کا اپنے استاد جدِی المکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ سے تعلق خاطر' مکاتبت' مولانا سمیع الحق مدظلہ سے ربط' جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تشریف آوری اور خطبات سے متعلق ہے۔ حضرت مدنیؒ کے شیدائیوں کیلئے یہ ایک بہترین اور عمدہ وانمول تحفہ ہے۔ (مولانا عرفان الحق)

کتاب: تیسری جنگِ عظیم اور دجال مصنف: مولانا عاصم عمر
ضخامت: ۳۲۶ صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: الغازی ویلفیئر ٹرسٹ باغ آزاد کشمیر

آخری جنگِ عظیم کب ہونے والی ہے؟ یہودی انسانیت کو تباہی کی طرف کیسے دھکیل رہے ہیں؟ آپ کے

سروں پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔کیا دجال آنے والا ہے؟ یہودی دجال کے لئے اتنے بے چین کیوں ہیں؟ کیا عالمی ادارے اور ملٹی نیشنل کمپنیاں دجال کے لئے راہ ہموار کررہی ہیں؟ دنیا میں جاری کفر و اسلام کی جنگیں کیا رُخ اختیار کریں گی؟ فتنہ دجال سے آپ اپنے ایمان کو کیسے بچائیں؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کے جوابات جاننے کے لئے معرکۃ الاراء کتاب تیسری جنگ عظیم اور دجال کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔فاضل مؤلف نے انتہائی عرقریزی سے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔

کتاب کی ثقاہت کے لئے دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدنی مدظلہ کا اسم گرامی کافی ہے جنہوں نے اپنی مؤقر تقریظ میں زیر نظر کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے''محترم و مکرم حضرت مولانا عاصم عمر صاحب کی گراں قدر زریں تالیف ''تیسری جنگ عظیم اور دجال'' کے اہم چیدہ چیدہ موضوعات کے مطالعہ سے دل و دماغ منور اور معطر ہوئے۔ایمانی احساسات میں ایک عجیب حرارت محسوس ہوئی' دل سے بے اختیار دعائیں نکلیں۔رب العالمین حضرت مولانا عاصم عمر صاحب کی اس عظیم علمی' تحقیقی محنت و مشقت کو شرف پذیرائی عطا فرما کر اس کا صلہ مولانا موصوف کو دارین میں عطا فرمائے اور فرزندانِ توحید کو اس بیش بہا روح پرور کتاب سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔حضرت مولانا فضل محمد صاحب' استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اس کتاب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''محترم جناب مولانا عاصم عمر صاحب مدظلہ مجاہدین کے جانے پہچانے خطیب اور عملی جہاد میں شریک پرعزم نوجوان مجاہد ہیں۔انہوں نے حضور ﷺ کی پیش گوئیوں کو اکٹھا کیا' جو کہ حضور ﷺ نے قیامت تک آنے والے واقعات کے متعلق فرمائی ہیں۔مولانا نے ان تمام پیش گوئیوں کو بہت ہی اچھے انداز میں جمع کیا ہے۔اور پھر ان کی روشنی میں موجودہ دنیا اور اس میں رونما ہونے والے واقعات پر گہری نگاہ ڈالی ہے' اور پھر امت کے ہر صاحب دل مرد و خواتین اور چھوٹوں بڑوں کے دلوں کو جھنجھوڑا ہے' خواب غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کی ہے اور ان کو میدانِ جہاد کی طرف آنے کی پوری پوری دعوت دی ہے' اور مستقبل کے تمام خطرات سے ان کو آگاہ کیا ہے۔اس وقت مسلمانوں کو ایسی کتاب کی اشد ضرورت تھی' میرے خیال میں یہ کتاب انشاء اللہ تمام مسلمانوں کے لئے نہایت مفید ہوگی۔(مولانا ابراہیم فانی)

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

قدرت اپنے فیصلے کبھی نہیں بدلتی!

جیسے دانتوں اور مسوڑھوں کے لئے

مسواک

ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

قدرت اپنے فیصلے کبھی نہیں بدلتی جیسے دانتوں اور مسوڑھوں کے لئے مسواک
جو ہے مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ میں، اس کے مسواک ایڈوانٹیج سے
دانتوں اور مسوڑھوں کو ملے مضبوطی، خوبصورتی، چمک اور ساتھ مہکتی سانسیں۔

مسواک Advantage یعنی ہر دم، ہر پل

ہمدرد

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمد للہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک وبیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب واہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یو بی ایل اکوڑہ خٹک 7-01 نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1120

Email: editor_alhaq@yahoo.com